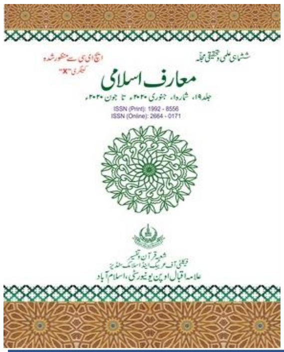

Ma'ārif-e-Islāmī Research Journal
eISSN: 2664-0171, pISSN: 1992-8556
Publisher: Faculty of Arabic & Islamic Studies
Allama Iqbal Open University, Islamabad
Journal Website: https://mei.aiou.edu.pk/

Vol.21 Issue: 02 (July-December 2022)
Date of Publication: 23-December 2022
HEC Category (July 2022-2023): Y

mei.aiou.edu.pk

Article	شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ-علمی واصلاحی خدمات(ایک تجزیاتی مطالعہ) Scholarly and Reforms Services of Shah Abdul Aziz Muhaddith Dehlavi: Analytical Study
Authors & Affiliations	**1. Dr. Mohd Shamim Akhter** *Assistant Professor, Department of Islamic Theology, Aliah University, India. [mohdshamimakhter.qasmi@yahoo.com]*
Dates	Received: 20-08-2022 Accepted: 10-09-2022 Published: 23-12-2022
Citation	Dr. Mohd Shamim Akhter, 2022. شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ-علمی واصلاحی خدمات(ایک تجزیاتی مطالعہ) [online] IRI - Islamic Research Index - Allama Iqbal Open University, Islamabad. Available at: <https://iri.aiou.edu.pk/?p=74722> [Accessed 25 December 2022].
Copyright Information	شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ-علمی واصلاحی خدمات(ایک تجزیاتی مطالعہ) 2022 © by Dr. Mohd Shamim Akhter is licensed under Attribution-ShareAlike 4.0 International
Publisher Information	Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad

Indexing & Abstracting Agencies

Tehqiqat	IRI	Asian Indexing	Australian Islamic Library	HJRS
تحقیقات	Islamic Research Index	ASIAN Research Index	Australian Islamic Library — From darkness to light! — www.AustralianIslamicLibrary.org	HJRS — HEC Journal Recognition System

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ- علمی واصلاحی خدمات : ایک تجزیاتی مطالعہ

Scholarly and Reforms Services of Shah Abdul Aziz Muhaddith Dehlavi: Analytical Study

ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی

اسسٹنٹ پروفیسر وسابق صدر شعبہ اسلامک تھیالوجی، عالیہ یونیورسٹی، ۱۷، گوراچاند روڈ، کولکاتا۔ ۷۰۰۰۱۴، مغربی بنگال، انڈیا

Abstract

When light of Islam appears on the land of Sub-Continent, it started spreading day by day due to its pious teachings. Moreover, religious scholars, Sufis, and owners of the shrines (Gaddi Nasheen) take their part to spread Islam. However, Emperor, Kings of Temari Sultanate, Ministers, or Members of that specific Kingdome did not take any part in this scenario. Although, they did not forbid these kind people to do so. These people came in front whenever any social evil took birth and tried to highlight those issues that they cannot ignore their responsibilities as the leaders of the Muslim. Sheikh Ahmed Sarhandi's (1544-1624) efforts to stop wrongs act in Akbar's era are the outshine examples in this regard. Shah Waliullah Muhaddis Dehlvi tried to stable the Mughal empire and made plan but couldn't succeeded. After him, Shah Abdul Aziz Dehlvi spend his whole life along with his scholarly and educational abilities to develop a path to restitute gone dignity and to make Muslim society a model society. This article is a study to focus on Shah Abdul Aziz's those efforts.

تعارف

اسلام کی شعائیں سرزمین برصغیر پر نمودار ہوئیں تو وہ اپنی پاکیزہ تعلیمات کی وجہ سے بہ تدریج پھیلتا چلا گیا اور بزرگان دین، مشائخ عظام اور علماء کرام نے بھی اشاعت اسلام کے لئے بڑی سرگرمی دکھائی۔ مگر عہد سلاطین کے حکم راں ہوں یا تیموری سلاطین، وزرائے مملکت ہوں یا ارکان سلطنت، کسی نے اس سلسلے میں کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دیا۔ تاہم انہوں نے اس عمل کو انجام دینے والے پاک نفوس اور مبلغین اسلام پر قدغن بھی نہیں لگائی۔ برصغیر جیسے تکثیری سماج میں جب بھی کسی بڑی سماجی ومعاشرتی برائی نے جنم لیا تو اس کی اصلاح اور انسداد کے لئے بلاخوف وتردد یہی لوگ سامنے بھی آئے اور حسب ضرورت سلاطین وامرا کو بھی متوجہ کرنے کی سعی کی کہ وہ خلیفۃ المسلمین ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو نظرانداز نہیں کرسکتے۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۶۴-۱۶۲۴ء) کے تجدیدی کارنامے روشن مثال ہیں کہ انہوں نے کس طرح اکبری عہد کے گم راہ کن سیلاب کو روکنے کے لئے جدوجہد کی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۰۳-۱۷۶۲ء) نے مغلیہ سلطنت کو استحکام ودوام بخشنے کی بڑی کوشش کی اور اس کے لئے حکمت عملی بھی اختیار کی، لیکن انہیں خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔ ان کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۴۶-۱۸۲۳ء) نے اپنی پوری زندگی اور ساری علمی وفکری صلاحیت اس امر میں صرف کردی کہ کوئی ایسی سبیل نکل کر سامنے آئے جس کے ذریعہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ بحال کی جائے اور مسلم معاشرہ کو مثالی معاشرہ بنایا جاسکے۔ زیر نظر مضمون میں شاہ عبدالعزیزؒ کی اسی کوشش کا مطالعہ مقصود ہے۔

سلطنت مغلیہ کے زوال کے اثرات

محی الدین اورنگ زیب عالم گیر (۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء مدت حکومت) ایک دور اندیش، منتظم، چاق و چوبند، پڑھا لکھا اور دین دار حکم راں تھا۔ اس نے کوشش کی کہ ما قبل فرماں رواؤں کے عہد میں جو بد نظمی پھیل گئی اور خلاف شرع امور فروغ پا چکے تھے، اس کا انسداد کیا جائے۔ بے شک وہ اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوا اور مغلیہ سلطنت کو مثالی بنا کر اس میں رعایا کی خوش حالی، ملک کی تعمیر، علوم و فنون کی ترقی اور علما و دانش وروں کی قدر دانی کی قابل ذکر روایت قائم کی۔ مرنے سے قبل اورنگ زیب نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ آپسی صلح و خوشی سے سلطنت کو تین حصوں میں تقسیم کر لیں۔ اتنا کہ اس وسیع و عریض سلطنت کا نظم و نسق اچھی طرح انجام پاتا رہے۔ مگر افسوس ہے کہ ان کے فرزندوں نے اس وصیت پر عمل نہیں کیا اور آپسی جنگ و جدل، غیر ذمہ دارانہ رویے، خلاف شرع امور اور حد سے بڑھی ہوئی عیش وعشرت کی بنا پر ایک بنی بنائی سلطنت کو پلک جھپکتے ہی خاک میں ملا دیا۔ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد سے لے کر بہادر شاہ ظفر (۱۷۳۷۔۱۸۵۷ء) کی معزولی تک چودہ تیموری شہزادوں۲ نے مسند سلطنت کو رونق بخشی۔ چند ایک کو چھوڑ کر کسی کو بھی لمبی مدت تک حکم رانی نصیب نہیں ہوئی اور نہ انہیں اپنے کرتوتوں کی وجہ سے سکون میسر ہوا، بالآخر سب آپس میں لڑ بھڑ کر فنا ہو گئے، جو بچے وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے وظیفہ خوار بن گئے۔

اس کم زوری کا فائدہ قرب وجوار کے راجوں مہاراجوں اور بعض دوسری بیرونی طاقتوں نے اٹھانا شروع کر دیا اور سلطنت سے بغاوت کر کے جگہ جگہ خود مختار ریاستیں قائم کر لیں۔ مزید برآں مرہٹے، جاٹ، سکھ اور روہیلوں نے مل کر سلطنت کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے بار بار کے حملوں اور لوٹ کھسوٹ سے ملک کی سیاسی، سماجی، معاشرتی، مذہبی اور اقتصادی صورت حال مزید خراب ہو گئی تھی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ (۱۹۲۵۔۱۹۹۷ء) کے بہ قول: اس وقت دہلی 'بمنزلہ لعب صبیان' تھا۔ دکن سے جو طوفان اٹھتا تھا وہ لال قلعہ سے آ کر ٹکراتا تھا۔ پنجاب سے جو آندھی اٹھتی تھی اس کے زلزلے دہلی میں محسوس ہوتے تھے۔ جاٹوں کا جو ہنگامہ برپا ہوتا تھا اس کی جولان گاہ یہی بد بخت شہر بنتا تھا۔۳ سلطنت کی بربادی اور افراتفری کا نظارہ بدیسی انگریز بہت قریب اور گہرائی سے کر رہے تھے، موقع پاتے ہی اس نے اسلام دشمن اندرونی طاقتوں سے ساز باز کر کے ملک کے الگ الگ حصوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور ایک دن وہ یہاں کے مالک بن گئے۔ اس عظیم الشان سلطنت کی زوال پذیری کی داستان عبرت کے لئے یہاں بس اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ 'نہ سنا جائے گا یہ فسانہ ہرگز'۔ اس کی وجوہات کیا تھیں اور اصل ذمے دار کون لوگ تھے، اس کی وضاحت تفصیل طلب ہے۔ یہاں اس کی طرف ہلکا اشارہ کرنا کافی ہوگا۔ چنانچہ آغا محمود بیگ راحت لکھتے ہیں:

"ایک روز ابو نصر محمد اکبر شاہ ثانی کے دربار میں ذکر زوال سلطنت آ گیا، بخشی محمود خاں نے عرض کی چار آدمیوں نے مملکت کو تباہ کر دیا۔ اول حکیموں نے: فرماں روایان بیدار مغز کو وہ مقویات کھلائیں کہ تاب تحمل نہ ہو سکا، مزاج عشرت طلب ہو گیا۔ دوسرے کلاونتوں نے: ان کے گھر میں جو نو خیز ہوئی، اس کو پیش کیا اور اس میں اپنا افتخار پیدا کیا۔ سلاطین کو رقص و سرود میں مائل رکھا۔ تیسرے کثرت عیال نے: ادھر ازواج کی کثرت ہوئی، ادھر اولاد کی ترقی ہوئی۔ نزاع خانگی سے خلش زیادہ ہوئی۔ ڈوم ڈھاڑی مدار المہام ہوئے۔ انتظام فرماں روائی میں خلل واقع ہوا۔ دشمنوں نے سر اٹھایا، بد خواہوں نے پیر پھیلائے، جا بہ جا خود سر ہو گئے۔ شرفا کو دربار میں مداخلت نہ ہوئی، ان کی بات کسی نے نہ سنی۔ وقت پر ان لوگوں نے طرح دی۔ غنیم کی بن آئی۔ چوتھے: مشائخ و پیر زادوں نے: جب کبھی حاضر ہوئے اور کچھ ذکر سلطنت آیا، اپنے تئیں عرش پر پہنچایا، مسائل تصوف بیان کرنے لگے، کنج عزلت کی خوبیاں عرض کرنے لگے، خون بندگان خدا سے ڈرانے لگے۔ جب شیخ جی یہ شیخی بگھار چکے، پھر اپنی کرامت جتانے لگے۔ ہم سیفیاں پڑھتے ہیں، موکلات کی زکوۃ دیتے ہیں، حضور عیش وعشرت کریں، ہم دعا کرتے ہیں۔ دعاؤں کا لشکر حضور کی فتح و نصرت کو کافی ہے۔ دشمن ادھر منھ بھی نہیں کرنے کا، خود بہ خود پامال سم سمندان لشکر دعائے دولت و اقبال رہے گا۔ فرماں

رواان کے دَم میں آ گئے، پیر جی کی دعا پر تکیہ کیا، چار بالش عشرت پر مربع نشیں ہوئے، اراکین گوشہ گزیں ہوئے۔ غنیم نے قابو پایا، اقلیم پر زور لایا۔ دعا کی فوج آتی رہی، حکومت جاتی رہی۔"[۴]

پیدائش اور تعلیم و تربیت:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۱، اکتوبر ۱۷۴۶ء/۲۵، رمضان ۱۱۵۹ھ کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی دوسری زوجہ 'ارادت بیگم' کے بطن سے پیدا ہوئے۔[۵] ان کی ولادت سے شاہ صاحب اور ان کے خان دان کے لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ بلکہ شاہ ولی اللہ کو ان سے بہت سی امیدیں وابستہ ہو گئیں کہ ان کے علمی کاموں کو تقویت بخشنے والا اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے والا جانشیں پیدا ہو گیا ہے۔ اپنی پیدائش کے متعلق خود شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں:

"میں پچیسویں رمضان کو سویرے پیدا ہوا تھا۔ چوں کہ والدین کے کئی بچے مر چکے تھے، اس لئے میری زندگی کی بڑی آرزو تھی، اس لئے والد ماجد کے بہت سے اصحاب جیسے شاہ محمد عاشقؒ و مولوی نور محمدؒ وغیرہ مسجد میں معتکف تھے، مجھے غسل دے کر محراب مسجد میں رکھ دیا گیا، گویا مجھ کو خدا کے لئے نذر کیا گیا، پس ان بزرگوں نے مجھ کو قبول کر کے خدا کی طرف سے انعام دیا۔"[۶]

شاہ عبدالعزیزؒ کی تعلیم و تربیت اور پرورش و پرداخت پر خصوصی توجہ دی گئی تھی۔ پانچ سال کی عمر میں وہ حفظ کلام اللہ کی دولت سے سرفراز ہو گئے۔ اس کے بعد عربی کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ شاہ ولی اللہؒ خود ان کو پڑھاتے اور علم کے موتی سے ان کے قلب و ذہن کو معمور کرتے تھے۔ نیز شاہ ولی اللہؒ کے مخصوص رفقا اور ماہر فن اساتذہ میں مولانا عاشق پھلتیؒ، مولانا امین کشمیریؒ اور مولانا نور اللہؒ سے قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔[۷] پندرہ سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم و فنون کی تعلیم سے بہرہ ور ہو گئے۔ یہاں تک کہ اپنے والد گرامی کے ہاتھوں مختلف سلاسل میں بیعت ہوئے اور ان سے خلافت و اجازت حاصل کی۔ مولوی عبدالقادر خانیؒ (۱۷۸۰-۱۸۴۹ء) کے یہ قول:

"مولانا شاہ عبدالعزیزؒ علم تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ میں شہرہ آفاق تھے اور ہیئت، ہندسہ، مجسطی، مناظر، اصطرلاب، جر ثقیل، طبعیات، الہیات، منطق، مناظرہ، اتفاق، اختلاف، ملل، نحل، قیافہ، تاویل، تطبیق، مختلف اور تفریق مشتبہ میں یکتائے زمانہ تھے، فن ادب اور ہر قسم کے اشعار سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔"[۸]

والدین اور اساتذہ کی تربیت و دعا اور اپنی ذہانت و فطانت کی بنا پر شاہ عبدالعزیزؒ علم کی بلندی پر پہنچ گئے۔ شاہ صاحب نے خود فرمایا: 'جن علوم کا میں نے مطالعہ کیا ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے ایک سو پچاس ہیں، نصف سابقین اولین کے اور نصف اس امت کے ہیں۔'[۹] عبرانی زبان سے بھی واقف تھے۔[۱۰] عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں وہ درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے اور اس میں انہیں استاذی کا درجہ حاصل تھا۔ بڑے بڑے شعراء آپ کی زبان دانی کے معترف اور آپ کی مجلس میں شریک ہوتے تھے۔[۱۱] ملفوظات عزیزی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا کہ شاہ عبدالعزیز ایک ماہر ریاضی داں اور جغرافیہ داں کی حیثیت سے بھی مشہور تھے۔[۱۲] 'کمالات عزیزی' جو شاہ صاحب کے کشف و کرامات پر مبنی رسالہ ہے، کے مندرجات سے پتا چلتا ہے کہ آپ کشف و کرامات میں مسلم تھے اور تعبیر خواب بیان کرنے میں انہیں درک حاصل تھا۔ شاہ اسمعیل شہیدؒ (۱۷۷۹-۱۸۳۱ء) کے علمی کمالات کے ضمن میں خاندان ولی اللہی کی علمی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں:

"اس جلیل القدر خان دان میں جس میں شیر اسلام (شاہ اسمعیل) کا ظہور ہوا ایک عجیب بات یہ تھی کہ کوئی بچہ کسی غیر مولوی کا شاگرد نہ تھا، شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جو کچھ پڑھا، اپنے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیمؒ سے پڑھا، اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جو کچھ تعلیم پائی وہ اپنے والد شاہ ولی اللہ صاحب سے۔ غرض اس واجب الاعتصام خان دان کا ہر ممبر اپنے ہی باپ یا چچا کا شاگرد ہوتا تھا، اور حقیقت میں جب یہ بات تھی کہ یہ خان دان سرچشمہ علوم تھا، پھر یہاں کا بچہ کیوں کسی بیرونی عالم سے تعلیم پانے لگا۔ یہ افتخار بھی ہندوستان میں اسی خان دان کو حاصل ہے۔"[۱۳]

درس و تدریس کا آغاز اور مقبولیت

حصول علم کے تمام روایتی ورسمی مراحل سے گزرنے کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ بحیثیت مدرس والد گرامی کی موجودگی میں مدرسہ رحیمیہ دہلی میں پڑھانے کے لئے مامور کئے گئے۔ آپ کا درس شروع ہوا تو علم و تحقیق کے موتی بکھیرنے لگے، جس سے بہت جلد ان کی شہرت ہوگئی۔ طلبا دور دور سے یہاں آنے لگے۔ دوران درس علوم و فنون کے کون سے ایسے گوشے تھے جو ان کے زیر بحث نہ آتے ہوں۔ سر سید احمد خاںؒ(۱۸۱۷-۱۸۹۸ء) لکھتے ہیں:

"اگرچہ جمیع علوم مثل منطق و حکمت و ہندسہ وہیئت کو خادم علوم دینی کا کر کر تمام ہمت و سراسر سعی کو بہ تحقیق غوامض حدیث نبوی و تفسیر کلام الٰہی اور اعلائے اعلام شریعت مقدسہ حضرت رسالت پناہی میں مصروف فرماتے تھے اور سوا اس کے جو کہ جلائے آئینہ باطن صیقل عرفان وایقان سے کمال کو پہنچی تھی طالبان صافی نہاد کی ارشاد و تلقین کی طرف توجہ تمام تھی، اِس پر بھی علوم عقلیہ میں سے کون سا علم تھا کہ اس میں یکتائی اور یک فنی نہ تھی۔"[۱۴]

شاہ عبدالعزیزؒ کے درس کی مقبولیت کی شہادت متعدد سوانحی کتب اور تذکروں میں ملتی ہے۔ سبھی نے آپ کی غیر معمولی استعداد اور مقناطیسی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا سید عبدالحی حسنیؒ(۱۸۶۹-۱۹۲۳ء) اپنی مشہور زمانہ عربی تصنیف میں لکھتے ہیں:

"مرحوم اپنے علم و فضل، آداب، ذکاوت، ذہانت، فہم و فراست اور سرعت حافظہ میں عالم کے اندر یگانہ روزگار علما میں سے تھے۔ پندرہ برس کی عمر سے درس و تدریس میں مصروف ہوئے، درس دیا اور فیض پہنچایا، یہاں تک کہ ہندوستان میں یکتائے عالم ہو گئے اور فضلا نے ان سے اکتساب کمال کیا۔ بیش تر مقامات سے طلبا محض ان سے پڑھنے کے لئے آتے اور ان پر ایسے ٹوٹ پڑتے جیسے پیاسا پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے۔"[۱۵]

شاہ عبدالعزیزؒ کی خوبیوں اور علمی استعداد کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محترم یہ بھی لکھتے ہیں:

"شاید تم کو تعجب ہوگا کہ موصوف ان تکلیف دہ بیماریوں اور اندوہ ناک امراض کے باوجود خوش طبع، حاضر جواب، شیریں گفتار، بڑے فصیح، خوش کلام، متواضع ہشاس بشاس اور باوقار تھے، ان کے اوصاف کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، ان کی مجلسیں عقول اور اذہان کی سیر و تفریح کا سامان تھیں، ان کی حکایتیں کانوں کو، ان کے شائستہ اشعار طبائع کو بھاتے تھے اور دور دراز کے قصے اور وہاں کے باشندوں کی داستانیں بھی خوب ہوتی تھیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ سننے والے کو یہ گمان ہوتا تھا کہ موصوف نے ان باتوں کو دیکھ کر جانا ہے، حالاں کہ بات یہ تھی کہ انہوں نے کلکتہ کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا، غیر معمولی ذکی، قوی تصور تھے اور حقائق سے خوب بحث کرتے تھے، انہوں نے ان باتوں کو ان لوگوں سے سنا تھا جو دور دراز سے دارالسلطنت میں آتے تھے۔"[۱۶]

شاہ عبدالعزیزؒ کے درس کا حال بیان کرتے ہوئے مولوی عبدالقادر خانی لکھتے ہیں:

"منقول میں کلام اللہ اور حدیث سے دلیل پیش کرتے تھے اور معقول میں جو ثبوت مناسب سمجھتے، خواہ مخواہ یونانیوں میں سے افلاطون، ارسطو اور متکلمین سے فخر رازی وغیرہ کے اقوال کی تائید میں مبتلا نہیں ہوتے تھے اور اپنی تحقیقات کو فن معقول میں صاف صاف بیان کر دیتے تھے چاہے وہ کسی کی رائے کے موافق ہو یا نہ ہو۔"[۱۷]

شاہ عبدالعزیزؒ شاہ ولی اللہؒ کی حیات یعنی دو سالوں تک ان کے زیر سایہ پڑھاتے رہے۔ جب شاہ ولی اللہؒ کا انتقال (۱۷۰۳ء) ہو گیا تو مدرسہ امینہ کی مسند درس سنبھالنے کے علاوہ دیگر تمام ذمہ داریاں بھی آپ کے سپرد کر دی گئیں۔ مولانا فخر الدینؒ (۱۷۱۷-۱۷۹۹ء) نے سر پر دستار باندھی اور شاہ ولی اللہ کے ناتمام کاموں کی تکمیل اور اسے موثر طریقے سے انجام دینے کا اشارہ بڑے ہی رازدارانہ طریقہ سے کیا۔[۱۸] جس کو عملی جامہ پہنچانے کے لئے شاہ صاحبؒ ہمیشہ کوشاں رہے۔ ان کی توجہ اور کوششوں کے نتیجے میں جو رجال کار تیار ہوئے اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالیؒ (۱۸۳۲-۱۸۹۰ء) لکھتے ہیں:

"شاہ عبدالعزیز بن شیخ اجل ولی اللہ محدث دہلوی بن شیخ عبدالرحیم عمری رحمہم اللہ استاذ الاساتذہ، امام نقاد، بقیۃ السلف حجۃ خلف اور دیا ہند کے خاتم مفسرین و محدثین تھے، اپنے وقت میں علما اور مشائخ کے مرجع تھے، تمام علوم متداولہ اور غیر متداولہ میں خواہ فنون

عقلیہ ہوں یا نقلیہ، ان کو جو دست گاہ حاصل تھی وہ بیان سے باہر ہے، کثرت حفظ و علم، خوابوں کی تعبیر، سلیقہ وعظ، انشاء پردازی، تحقیقات نفائس علوم، مذاکرہ اور مخالفوں کے ساتھ مباحثہ کرنے میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز تھے اور موافق و مخالف سب کو ان سے اعتقاد تھا، تمام عمر درس وتدریس، افتا، فصل خصومات، وعظ وتربیت مریدین اور تکمیل تلامذہ میں گزار دی، باطنی کمالات کے ساتھ صوری جاہ و عزت اور ظاہری تعظیم واحترام بھی میسر تھا۔ امیر مجاہدین سید احمد (شہید) بریلویؒ کو ان ہی سے بیعت طریقت حاصل تھی، بلاد ہند میں علم و عمل کی سیادت ان پر اور ان کے بھائیوں پر ختم تھی۔ دیار ہند کے علماہی میں نہیں بلکہ بیرون ہند میں بھی کم ہی کوئی ایسا عالم ہوگا جو تلمذ یا استفادہ باطن کی نسبت اس خان دان سے نہ رکھتا ہوگا، ان کی شاگردی بڑے بڑے علما کے لئے باعث فخر ہے اور ان کی لکھی ہوئی کتابیں فضلا کے معتمد علیہ ہیں۔ فقیر کے والد کو بھی ان سے روایت کی اجازت حاصل ہے، موصوف نے علوم کی تحصیل اپنے اور ان کے خلفا سے کی اور بڑی خلقت نے ان سے استفادہ کیا۔ ان کے علوم تحصیلیہ فقہ، حدیث اور تفسیر وغیرہ کی سندیں ان کی تصانیف میں مذکور ہیں اور لوگوں میں مشہور ہیں۔" ۱۹

شاہ عبدالعزیزؒ کے درس کی جامعیت، طریقہ تدریس، شاہ ولی اللہ کے علوم کی تفہیم و تشریح اور دیگر علمی کاموں میں انہماک کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ (۱۸۷۲-۱۹۴۴ء) لکھتے ہیں:

"امام عبدالعزیزؒ نے یہ کیا کہ ان کے زمانے میں عام علما جن علوم سے زیادہ مانوس تھے، موصوف نے خود بھی ان علوم میں خاص دل چسپی لی۔ آپ مروجہ درسی کتابوں میں جو اقوال شاہ ولی اللہؒ کی تحقیق کے خلاف پاتے، ان پر بڑی لطافت سے بتدریج جرح کرتے جاتے اور آخر میں بہت ہلکے الفاظ میں شاہ ولی اللہؒ کا قول نقل کر دیتے۔ اس طرح ولی اللّٰہی فکر آسانی سے دماغ میں جذب ہو جاتا۔ لیکن آپ اس قول کو نہ اپنی طرف منسوب کرتے اور نہ شاہ ولی اللہؒ کی طرف۔ اس طرح آپ عام اہل علم میں اتنی استعداد پیدا کر دیتے تھے کہ وہ امام ولی اللہ کی تحقیقات کو سمجھ سکیں۔ اس کی مثالیں آپ کی تصنیف "تحفہ اثنا عشریہ" اور "تفسیر عزیزی" میں کثرت سے ملتی ہیں۔ لیکن اپنے خواص اہل بیت کو اور جو اور بھی ان کے زمرہ میں شریک ہو سکا، آپ نے خاص طور پر شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں کا محقق بنا دیا۔ اس طرح امام عبدالعزیز نے کم از کم ساٹھ برس تک کام کیا۔ یہاں تک کہ شاہ ولی اللہؒ کا علم اور ان کی حکمت لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہو گئی۔ اگر اس وقت یورپ کی ایک بڑی عقل مند انقلابی حکومت ہندوستان میں پاؤں نہ جما چکی ہوتی تو شاہ عبدالعزیزؒ کے علوم کا آج یہاں اقتدار ہوتا۔ لیکن یہ یورپی حکومت صرف شاہ عبدالعزیزؒ کے علوم کے برگ و بار لانے میں سد راہ ثابت نہ ہوئی بلکہ اس کی تدبیروں نے ان علوم کی صورت کو اس طرح مسخ کیا کہ عوام ان سے متنفر ہو گئے۔ البتہ جن لوگوں میں علمی ذوق موجود تھا، وہ اس مخالف پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوئے۔" ۲۰

تبحر علمی اور کمالِ حافظہ

خان دان ولی اللّٰہی کی برصغیر میں سربلندی مقدر ہو چکی تھی۔ اس لئے منجانب اللہ اس کے لئے اسباب بھی مہیا ہوتے رہے۔ قبل از شاہ عبدالعزیزؒ و مابعد اس خان دان کا ہر فرد عالم بے بدل اور محقق دوراں تھا۔ خوف خدا ان پر طاری رہتا اور وہ اپنی اصل ذمہ داریوں کے تئیں فکر مند رہتے۔ ۲۵/سال کی عمر سے ہی شاہ صاحب متعدد مہلک بیماری کا بھی شکار ہو گئے تھے۔ ۲۱ لیکن ان کا فہم ادراک اور حافظہ ہمیشہ مستحکم رہا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۸۶۳-۱۹۴۳ء) اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں: شاہ صاحب کو چھ ہزار احادیث از بر تھیں۔ ۲۲ پے در پے بیماری کے حملے کی وجہ سے بصارت سے محروم ہو گئے تھے، اس کے باوجود اپنی یادداشت کی بدولت بڑے بڑے علمی امور انجام دیئے۔ آپ کے غیر معمولی حافظہ کے بارے میں سرسید احمد خاںؒ لکھتے ہیں:

"حافظہ آپ کا نسخہ لوح تقدیر تھا۔ بارہا اتفاق ہوا کہ کتب غیر مشہورہ کی اکثر عبارات طویل اپنی یاد کے اعتماد پر طلبا کو لکھوا دیں اور جب اتفاقاً کتابیں دستیاب ہوئیں تو دیکھا گیا کہ جو عبارت آپ نے لکھوا دی تھی، اس میں من اور عن کا فرق نہ تھا، باوجود اس کے سنین عمر شریف قریب اسی کے پہنچ گئے تھے اور کثرت امراض جسمانی سے طاقت بدن مبارک میں کچھ باقی نہ رہی تھی۔" ۲۳

سید عبدالحیٔ حسنیؒ نے اپنے سفر نامہ 'دہلی اور اس کے اطراف' میں شاہ عبدالعزیزؒ کی قوت حافظہ کا ذکر کیا ہے، جسے انہوں نے مولانا ذوالفقار علیؒ صاحب کی زبانی سنا تھا:

"مجھ سے مولانا رشید الدین خاںؒ صاحب بیان کرتے تھے کہ جب شاہ صاحب معذور ہو گئے اور امراض سخت میں گرفتار ہو گئے تو مراق کی وجہ سے اکثر مدرسہ میں ٹہلا کرتے تھے۔ اسی درمیان میں بعض بعض لوگ سبق بھی پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ میں مقامات حریری پڑھتا تھا۔ آگے آگے شاہ صاحب اور پیچھے پیچھے میں مقامات لئے ہوئے پڑھتا جاتا تھا۔ مقامات کی عبارت دو فقری ہے۔ میں ایک فقرہ پڑھتا تھا، دوسرا شاہ صاحب معاً پڑھ دیتے تھے۔ یا تو یہ فقرہ وہی ہوتا تھا جو کتاب کا ہے، یا انہی کا ہوتا تھا جو کتاب کے فقرہ سے زیادہ چست اور اچھا ہوتا تھا۔" ۲۴

مولانا ذوالفقارؒ صاحب نے شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد مولانا رشید الدینؒ (۱۷۶۵-۱۸۳۴ء) کی زبانی ایک دوسرا واقعہ سنا تھا، جس سے مولانا حسنیؒ کو واقف کرایا گیا:

"ایک مرتبہ سفر کلکتہ میں شاہ صاحب نے قاموس کا ایک نسخہ دیکھا تھا، مدتوں کے بعد نابینا ہو جانے پر وہ دہلی فروخت کے واسطے دست بدست شاہ صاحبؒ کے مدرسہ پہنچا۔ شاہ صاحبؒ نے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ وہی نسخہ ہے جس کو میں نے دیکھا ہے، پھر فرمایا کہ دیکھو فلاں حاشیہ پر یہ عبارت تو نہیں لکھی ہے۔ دیکھا گیا تو یہ وہی تھی۔ آخر کو معلوم ہوا کہ یہ وہی نسخہ ہے۔" ۲۵

تلامذہ، خلفا اور مریدین

شاہ عبدالعزیزؒ چاروں بھائیوں میں بڑے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے انتقال کے وقت یہ سب چھوٹے تھے۔ لہذا سب آپ کی نگرانی و کفالت میں آ گئے۔ انہوں نے بھائیوں کے ساتھ حد درجہ شفقت و محبت کا معاملہ روا رکھا اور ان کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی۔ جس کی وجہ سے یہ سب شاہ ولی اللہ کے علمی وراثت کے امین بن گئے اور شاہ عبدالعزیزؒ کے علمی کاموں میں معاونت کرنے لگے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

"شاہ عبدالعزیزؒ کے ساتھ ان کے اپنے بھائی شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ بہترین معاون ثابت ہوئے۔ عقلی مسائل کے لئے جس قدر تحقیق کی ضرورت ہوتی، اس کو شاہ رفیع الدینؒ پورا کرتے رہے۔ کشفی مسائل میں خصوصیت کے ساتھ شاہ عبدالقادرؒ ممتاز تھے۔ نقلی علوم کی تعلیم شاہ عبدالعزیز کے اپنے ذمہ تھی۔ اس طرح علم کے تینوں ذرائع یعنی عقل، نقل اور کشف کی مدد سے ایک جامع سوسائٹی پیدا کرنے کی کوشش جاری رہی۔" ۲۶

شاہ عبدالعزیزؒ اپنے بھائیوں کی علمی استعداد اور فراست کے ہمیشہ معترف رہے، بلکہ بعد میں بیماری لاحق ہونے کی وجہ سے اپنی تدریسی اور دیگر ذمہ داریاں اپنے بھائی شاہ رفیع الدینؒ (۱۷۴۹-۱۸۱۸ء) کے سپرد کر دی تھی۔ ۲۷ ایک موقع سے آپ نے یہ بھی فرمایا:

"میرے مولانا رفیع الدین صاحبؒ سے چار رشتے تھے، برادر حقیقی تھے، دوسرے والد صاحب نے مجھے مرحوم کی سرپرستی میں یہ کہہ کر دیا تھا کہ یہ تیرا بیٹا ہے، تیسرے میری رضائی ماں کا دودھ پیا تھا، چوتھے یہ کہ شاگرد رشید تھے۔" ۲۸

ایک مجلس میں کسی مرید نے شاہ رفیع الدین کی رفعت علم کے بارے میں کہا کہ ان کی ذات اپنے خاندان کے لئے ہی نہیں، عام دہلی بلکہ تمام ہندوستان کے لئے قابل فخر ہے۔ اس پر شاہ عبدالعزیزؒ کا فرط محبت چھلک اٹھا۔ فرمایا:

"اگر مولوی رفیع الدینؒ جاہل ہوتے تو بھی مجھے اتنا ہی درد ہوتا (کیوں کہ خون کا تعلق ہے) اب چوں کہ ان کی ذات تمام ہندوستان کے لئے سرچشمہ فیض و علم ہے، اس لئے سب کو درد ہے۔ پھر فرمایا کہ ہماری زندگی میں بجز نام کے اور کوئی حصہ نہیں جو کچھ ہے برادر محترم کی بدولت ہے۔" ۲۹

اپنے تلامذہ اور خلفا خاص کے بارے میں شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں:

"میرے شاگردوں میں دو آدمی نہایت لائق اور عمدہ ہیں۔ مولوی رفیع الدینؒ اور مولوی الٰہی بخشؒ جو بقید حیات ہیں اور کلکتہ میں مولوی مراد علیؒ ہیں اور انہوں نے پڑھنے پڑھانے کا شغل چھوڑ دیا ہے، تجارت کرتے ہیں اور بقیہ دوسرے شاگرد فوت ہو گئے۔" ۳۰

سطور بالا میں مذکور تلامذہ کے علاوہ اور بھی بہت سے نام ور تلامذہ اور خلفا تھے، جن کی تعداد بہ قول معروف محقق پروفیسر محمد اقبال مجددیؒ (۱۹۵۰-۲۰۲۲ء) ۱۲۳ تک پہنچتی ہے، تاہم وہ یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ ہماری یہ فہرست نامکمل ہے۔۳۱ البتہ صاحب 'مقالات طریقت' یہ بھی لکھتے ہیں: "آپ کے مریدین کی کثرت تھی، جن کی تعداد چالیس لاکھ ہے"۔۳۲ جن میں ان کے تینوں برادر خورد شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ (۱۷۵۳-۱۸۱۴ء) اور شاہ عبدالغنیؒ (۱۷۵۸-۱۸۱۲) کے علاوہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ (۱۷۷۹-۱۸۳۱ء) اور سید احمد شہیدؒ (۱۷۸۶-۱۸۳۱ء)، شاہ محمد اسحاقؒ (۱۷۸۳-۱۸۴۶ء)، شاہ محمد یعقوبؒ (۱۷۸۶-۱۸۶۵ء)، مفتی صدرالدین دہلویؒ (۱۷۸۹-۱۸۶۸ء)، شاہ غلام علیؒ (۱۷۴۳-۱۸۲۴)، مولوی مخصوص اللہؒ (۱۸۵۴ء)، مولوی عبدالحیؒ (۱۸۲۷ء)، مولانا میر محبوب علی (۱۷۸۶-۱۸۶۵ء)، مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ (۱۸۹۵-۱۹۹۳ء) وغیرہ ہیں۔ سبھی نے چراغ سے چراغ جلائے اور برصغیر کی بگڑی ہوئی معاشرت پر توجہ مرکوز کی۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

"شاہ ولی اللہؒ کے خواص شاگردوں سے اگر دس آدمیوں نے استفادہ کیا تو شاہ عبدالعزیزؒ کے خواص شاگردوں سے دس ہزار مستفید ہوئے۔"۳۳

افادہ عام کی علمی مجالس

شاہ عبدالعزیزؒ نے قرآن و حدیث کی تدریس کے ساتھ عوام الناس اور کم پڑھے لکھے لوگوں میں دین کی روح پھونکنے کے لئے الگ سے بھی مجلس آراستہ کی۔ اس کے لئے دو دن متعین کئے گئے تھے۔ پروفیسر عبدالقدوس مجددیؒ 'مقالات طریقت' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"آپ سے استفادہ کرنے والوں کی کئی قسمیں تھیں۔ آپ فجر کی نماز کے بعد درس دیتے تھے تو شرکا کی کثرت ہوتی تھی۔ چہل قدمی کے دوران بھی کئی اصحاب آپ سے سبق لیتے تھے اور جب تفسیر بیان کرتے تھے تب بھی حاضرین میں ایسے افراد ہوتے تھے جو تعلیم کی درخواست کرتے تھے۔ ان سب کے علاوہ وہ اصحاب بھی ہیں جو عربستان اور دیگر ممالک سے آئے اور اجازت لے کر چلے گئے۔"۳۴

شاہ عبدالعزیزؒ کا حلقہ درس لگتا، چاہے وہ قرآن کا ہو یا حدیث کا، یا پھر وعظ و ارشاد کی مجلس، ہر جگہ مخاطب کے ذہن کا خیال رکھتے ہوئے گفتگو کرتے۔ صاف ستھری اور سیدھی سادی بات کرتے، جو سامعین کے اذہان و قلوب میں بہ آسانی اتر جاتی۔ مولوی عبدالقادر خانی لکھتے ہیں: وہ اپنی گفتگو میں بلاضرورت یونانیوں، افلاطون، ارسطو اور متکلمین میں سے فخرالدین رازی وغیرہ کی بحثوں کی الجھنوں میں مبتلا نہیں ہوتے اور اپنے مدعا کو معقول میں صاف صاف بیان کردیتے، چاہے وہ کسی کی رائے ہو یا نہ ہو۔۳۵ شرکا میں سب کو اجازت تھی کہ کوئی اشکال ہو یا کوئی بات فہم سے بالاتر ہو تو دریافت کرلے۔ شیخ عبدالرحیم ضیا ان کے طریقہ تدریس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"آپ کے وعظ میں ہزارہا آدمی رہتے تھے، ان میں جو پڑھے لکھے تھے وہ لوگ ایک ایک تفسیر اپنی اپنی استعداد کے موافق عربی ہو یا فارسی لے کر بیٹھے رہتے جب کوئی ایک آیت شروع کرتے تو حضرت ہر ایک سے پوچھتے کہ امام رازی کیا معنی کرتے ہیں؟ اور شیخ محی الدین ابن عربی کیا فرماتے ہیں؟ اور قاضی بیضاوی کیا لکھتے ہیں؟ علیٰ ہذالقیاس۔ جس کے پاس جو تفسیر ہوتی وہ اپنا بیان کرتا، جب تفسیریں ہو جاتیں تب آپ فرماتے: خیر یہ سب بیان ہو چکا۔ اب جو خدا تعالیٰ نے اس فقیر کے دل میں القا کیا ہے بیان کرتا ہوں، پھر وہ مضامین فرماتے کہ کسی مفسر کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آئے ہوں، سب لوگ کتابیں بند کر کے حضرت کا منھ تکتے رہتے اور ششدر ہو جاتے۔"۳۶

مقام و مرتبہ

شاہ عبدالعزیزؒ ہمیشہ اپنی ذمے داریوں کو لے کر بڑے پابند اور فکر مند رہتے۔ سخت بیماری میں مبتلا رہنے کے باوجود چلتے پھرتے بھی طلبا کو پڑھاتے اور خلفا و مریدین اور عوام الناس کی تعلیم و تربیت پر توجہ فرماتے تھے۔ اس بے لوث خدمت نے آپ کو عوام و خواص میں مقبول

بنادیا۔ سلاطین وامرا بھی آپ کی عزت کرتے اور عقیدت و محبت سے پیش آتے اور اپنے لئے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ ملفوظات عزیزی کے مترجم لکھتے ہیں:

"بادشاہ سے لے کر فقیر تک ہر شخص آپ کی عزت کرتا تھا۔ ملفوظات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی معلومات کس قدر وسیع تھیں اور کیسے کیسے مشکل اور دقیق مسائل میں آپ لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ اپنے والد کی طرح آپ صرف عالم ہی نہیں تھے بلکہ عملی دنیا میں بھی آپ نے خصوصی امتیاز حاصل کیا تھا۔ اسلامی اقدار کو زندہ رکھنے اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے لئے شاہ صاحبؒ نے جو کوششیں کی ہیں ان کی بدولت وہ ہماری تاریخ کی بلند اور ممتاز ترین شخصیتوں میں جگہ پانے کے مستحق ہیں۔"۳۷

شیخ محمد محسن بن یحییٰ ترہتیؒ (۱۸۶۴ء) اپنی کتاب 'الیانع الجنی' میں شاہ صاحب کی عوام الناس میں مقبولیت اور ان کے علمی و روحانی فیوض و برکات کے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وہ شہرت و کمال کی اتنی بلندی پر پہنچ گئے تھے کہ ہندوستان کے لوگ ان کی جانب نسبت کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، بلکہ اپنے آپ کو ایسے رشتے میں منسلک کرنے میں جو ان کے شاگردوں پر منتہی ہوتا ہے قابل فخر خیال کرتے ہیں، ان کے خصائل حمیدہ اور اخلاق فاضلہ ایسے ہیں کہ جن میں ان کے عام ہم عصر ان سے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے، جس نے بھی ان سے مقابلہ کیا وہ ان ہی کے نشانہ پر گرا، اس نے انہی نشانہ پر تیر چھوڑا، اور اس کے طور و طریق کو اختیار کیا، اور ان کے من جملہ محاسن کے عبارت آرائی اور انشاپردازی میں فائق ہونا اور اس میں سحر آفرینی کا پایا جانا ہے، ان کی تحریریں ایسی ہیں جن کی وجہ سے ان کے معاصرین نے ان کو اپنا پیش رو مانا اور سب نے اس امر کو تسلیم کیا کہ وہ میدان مسابقت میں گوئے سبقت لے جانے والے ہیں اور نشان پر قبضہ کرنے والے ہیں، اور من جملہ اس کے ان کی فراست ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو خوابوں کی تعبیر پر قدرت عطا فرمائی، جیسی تعبیر بتاتے ویسی ہی ہوتی، گویا ایسی خبر دی جیسے کہ خود انہوں نے اس کو دیکھا ہے، یہ باتیں ایسے نفوس قدسیہ سے ظہور میں آتی ہیں جو خواہشات نفسانی کی آلودگیوں سے پاک صاف ہوتے ہیں، ان کے خصائل حمیدہ بہت ہیں اور ان کے فضائل مشاہدہ میں آچکے ہیں۔"۳۸

شاہ ولی اللہ محدثؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کے علمی کمالات اور ان کے مقام و مرتبہ کا تعین کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے بڑا عمدہ تجزیہ پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"امام ولی اللہؒ نے تو دہلی کے اعلیٰ طبقے کو اپنے علوم وافکار سے متعارف کرایا تھا، مگر امام عبدالعزیزؒ نے قوم کے متوسط طبقے کو بیدار کر کے عوام کو اس حقیقت سے آشنا کیا۔ یہی قومی حکومت کی تاسیس ہے۔ بفضلہ تعالیٰ امام عبدالعزیزؒ اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اور اسی بنا پر 'سراج الہند' کہلائے۔"۳۹

مساعیِ فہم قرآن

شاہ ولی اللہؒ نے بڑی جدوجہد کی کہ مسلم معاشرے میں فہم قرآن کا ایک عام مزاج بنے اور لوگوں کا تعلق سرچشمہ ہدایت سے مضبوط ہو جائے۔ شاہ ولی اللہؒ کے انتقال کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی اس سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ طلبا کے علاوہ افادہ عام کے لئے ہفتے میں دو دن منگل اور جمعہ کو الگ سے درس قرآن کی مجلس لگتی، جس میں خلق کثیر کی بھیڑ جمع ہو جاتی تھی۔ انہوں نے اپنے درس قرآن کی شروعات اسی آیت کے بعد سے کی جہاں ان کے والد نے چھوڑا تھا۔ شاہ اسحاق بن افضلؒ پہلے ایک رکوع کی تلاوت کرتے، پھر شاہ صاحب دیر تک اس کی تفسیر بیان فرماتے اور اس سے حاصل دروس و نصائح کی وضاحت کرتے تھے۔ شاہ صاحب کے انتقال کے بعد اس سلسلے کو ان کے نواسے شاہ اسحاقؒ نے آگے بڑھایا۔۴۰ یہ دراصل یہ اس لئے بھی ناگزیر تھا کہ لوگوں نے قرآن کو کتاب ہدایت کی بجائے دعا، تعویز، گنڈوں اور فاتحہ خوانی کی کتاب سمجھ لیا تھا اور اس سے حد درجہ لاپرواہی برتی جاتی تھی۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ کے دروس قرآن سے مسلمانوں کے اندر کلام اللہ سے شغف پیدا ہوا۔ ملفوظات عزیزی کے مترجم لکھتے ہیں:

"قرآن کے مطالعہ کی طرف قطعاً توجہ نہ تھی۔ وہ صرف بیماروں کی جھاڑ پھونک کے لئے کھولا جاتا تھا۔ قرآن سے بے توجہی کو دور کرنے اور لوگوں کو اس طرف رغبت دلانے اور شوق پیدا کرنے کے لئے قرآن کا ترجمہ شاہ ولی اللہؒ نے فارسی زبان میں کیا تھا، بعد میں ان کے بیٹے شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے اردو زبان میں علیحدہ علیحدہ ترجمے کئے۔ ان تراجم کی وجہ سے لوگوں میں قرآن پڑھنے اور سمجھنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی مسلسل کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں قرآن شریف کی تلاوت نہ ہوتی ہو اور یہ رجحان و میلان اس حد تک بڑھ گیا کہ بچوں کو پہلے قرآن کی تعلیم دلاتے تھے اور جابجا مسجدوں، خانقاہوں میں تعلیم قرآن کے مکاتیب و مدارس قائم ہو گئے۔ آج تک یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ قرآن شریف کی طرف رغبت دلانے اور اس کی تعلیم کو عام کرنے میں شاہ صاحب کی تبلیغی مساعی کو بہت بڑا دخل ہے۔"[41]

خان دان ولی اللہ کو یہ اعزاز وافتخار حاصل ہے کہ اس کے ہر فرد نے خدمت قرآن پر خصوصی توجہ دی۔ مگر شاہ عبدالعزیزؒ کی برسوں پر محیط یہ کوشش بڑی برگ وبار ثابت ہوئی۔ مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ (۱۹۲۵-۲۰۱۵ء) لکھتے ہیں:

"برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خان دان کو اللہ تعالیٰ نے جو قدر و منزلت عطا فرمائی، وہ اس خطہ ارض کی اسلامی و دینی تاریخ کا ایک نہایت روشن باب ہے۔ اس خان دان نے سب سے زیادہ خدمات سرانجام دیں۔ قرآن، حدیث، تفسیر، اصول فقہ، تصوف، جہاد غرض ہر میدان علم و عمل میں اس خانوادہ عالی مرتبت کے ارکان ذی احترام پیش پیش رہے بلکہ بعض خدمات علمیہ کا آغاز ہی اس گھرانے سے ہوا۔ قرآن مجید کے فارسی اور اردو تراجم کی ابتدا انہی بزرگوں نے کی۔ شاہ ولی اللہؒ کا فارسی ترجمہ وتفسیر، شاہ عبدالعزیزؒ کی تفسیر عزیزی، شاہ عبدالقادرؒ کا اردو ترجمہ قرآن اور تفسیر موضح قرآن، شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ وہ اولین خدمات ہیں جو تاریخ کے سینے میں قیامت تک نقش رہیں گی اور لوگ ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں گے۔"[42]

شاہ عبدالعزیزؒ کے درس قرآن سے برآمد ہونے والے اثرات کو مصلحانہ عمل قرار دیتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (۱۹۱۴-۱۹۹۹ء) لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کے ذریعے تطہیر عقائد اور اصلاح اعمال واخلاق کی سب سے طویل، سنجیدہ وعمیق اور موثر ووقیع کوشش خان دان ولی اللّٰہی کے سب سے بڑے فرد اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے کاموں کی تکمیل وتوسیع کی سعادت حاصل کرنے والے بزرگ شاہ عبدالعزیزؒ (۱۲۳۹ھ) کے ذریعے انجام پائی، جنہوں نے ۶۲-۶۳ سال تک دہلی جیسے مرکزی شہر اور تیرھویں صدی ہجری جیسے اہم زمانہ میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا، اس کو خواص وعوام میں جو مقبولیت حاصل ہوئی اور اس سے اصلاح عقائد کا جو عظیم الشان کام انجام پایا، ہمارے علم میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔"[43]

عمل بالحدیث کی جدوجہد

برصغیر میں علم حدیث کی نشرواشاعت کے اصل داعی حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد مضبوط کڑی شاہ عبدالعزیزؒ کی ہے۔ والد گرامی نے نصوص قرآن وحدیث کی توضیح وتشریح، ان کے مطالب کو عوام میں پھیلانے اور عمل بالحدیث کی ترویج واشاعت کا جو 'شجر طوبیٰ' لگایا تھا، اس کی آبیاری شاہ عبدالعزیزؒ نے کی اور اسے اس قدر ثمر آور بنادیا کہ آج تک لوگ اس سے خوشہ چینی کر رہے اور دریائے علم کے آب زلال سے اپنی تشنگی بجھا رہے ہیں۔[44] مولانا صدیق حسن قنوجیؒ لکھتے ہیں:

"ان کا خان دان علوم حدیث اور فقہ حنفی کا خان دان ہے۔ اس علم شریف کی خدمت جیسی کہ اس خان دان سے اس اقلیم میں بن آئی دوسرے کسی خان دان کی بابت معلوم اور مشہور نہیں۔ درحقیقت اس سرزمین میں عمل بالحدیث کی تخم ریزی ان کے والد ماجد نے کی اور انہوں نے اس کو برگ وبار بخشے اور پروان چڑھایا۔"[45]

مولانا محمد رحیم بخش دہلویؒ 'حیات ولی' میں لکھتے ہیں:

"در حقیقت عمل بالحدیث کا بیج ہندوستان کی بنجر اور ناقابل زمین میں آپ کے والد بزرگوار جناب شاہ ولی اللہؒ نے بویا اور آپ نے اسے پانی دیتے دیتے یہاں تک پہنچائی کہ اس سے ایک نہایت خوش نما اور نونہال پودا پھوٹا، جو چند روز میں سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگا اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں دور دور کے لوگ اس کے پھل و پھول سے گودیاں لبریز کر کے جانے لگے۔"۴۶

شاہ عبدالعزیزؒ نے ایک طرف درس قرآن کو عام کیا تو وہیں درس حدیث کی محفل آراستہ کر کے لوگوں کی توجہ عمل بالحدیث کی طرف مبذول کرائی۔ علم حدیث پر آپ نے دو اہم اور محققانہ کتاب بھی تصنیف کیں۔ 'بستان المحدثین' کے ذریعہ ثقہ محدثین اور حفاظ حدیث کی عظمت کو متعارف کر یا اور ان کے مقام و مرتبہ کا تعین کیا تو 'عجالہ نافعہ' کے ذریعہ عمل بالحدیث کے اصول تک طالب حدیث کی رسائی کرائی، تاکہ وہ روایت حدیث میں صحیح وضعیف اور موضوع احادیث کا فرق کر سکیں۔ ڈاکٹر ثریا ڈار لکھتی ہیں:

"شاہ عبدالعزیز کو علوم نقلیہ اور فنون عقلیہ پر کامل عبور حاصل تھا۔ لیکن طبیعت کا اصل میلان حدیث نبوی کی طرف تھا۔ علم حدیث سے انتہائی شغف کی بنا پر آپ نے عمر کا بیش تر بالخصوص آخری حصہ احادیث نبوی کی تحقیق و تدوین، اس کی اشاعت و تبلیغ کے لئے وقف کر دیا تھا اور علم حدیث کی خدمت ہی کو زندگی کا اصل نصب العین قرار دے لیا تھا۔ ان کی درس گاہ میں حاضر ہونے والے طالبان علم کے لئے تلقین وارشاد کا اکثر حصہ اتباع اور احیائے سنت ہوتا تھا۔ کلام الٰہی کی تفسیر اور احادیث کی روشنی میں اس کے معنی کی توضیح و تشریح کو اپنا مقصد حیات سمجھتے اور نہایت تاکید سے لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتے تھے۔"۴۷

فقہی خدمات میں معتدل نقطہ نظر

شاہ عبدالعزیزؒ کو دیگر علوم کے ساتھ علوم فقہیہ میں بھی گہری بصیرت تھی۔ فقہی جزئیات و کلیات اور اصول فقہ پر ان کی عمیق نظر تھی۔ ان کا شمار اس عہد کے بڑے فقہا میں ہوتا تھا۔ بہ کثرت عوام فقہی مسائل کے حل کے لئے آپ سے ہی مراجعت کرتی تھی۔ ان کی رائے بڑی وقیع ہوتی تھی۔ وہ خود حنفی المسلک تھے، مگر وہ ان روایتی مفتیوں کی طرح ہرگز نہیں تھے جن کی نظریں عصری تقاضوں سے عاری ہوتی ہیں۔ وہ دوسرے فقہی مسالک کے تئیں نرم گوشہ رکھتے تھے۔ جو ان کے اعتدال پسندی کی دلیل ہے۔ ملفوظات میں جابہ جا یہ چیز دیکھنے کو ملتی ہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"چاروں مذاہب اپنے اپنے قواعد کے اعتبار سے بہت محبوب ہیں، اصول اور کلیہ قواعد کی موافقت کے اعتبار سے حنفی مذہب اور اصول حدیث اور ان کی تنقیحات کے اعتبار سے شافعی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر محدثین شافعی مذہب ہوتے ہیں، سوائے امام بخاری کے جو خود اجتہاد فرماتے تھے۔"۴۸

ایک اور موقع سے آپ نے فرمایا:

"چاروں اماموں کے چاروں طریقے بہت خوب ہیں اور ہر ایک کے یہاں اپنے اپنے طریقہ کی رعایت اور حجت موجود ہے۔ چنانچہ امام مالک قراء سبعہ کو جن کو صحابہ کرام سے صحت سند حاصل تھی معتبر سمجھتے تھے اور امام مالک نے کوفی اور عراقی والی احادیث کو ترک فرما کر مدینہ کی روایات اور احادیث کو اپنے لئے معمول بہا بنایا تھا۔ اسی طرح امام شافعی نے تمام حدیثوں کو جمع کیا اور ان میں جن کو مرجح، صحیح اور مستند سمجھا ان کو قابل عمل گردانا، باقی کو ترک فرما دیا اور امام احمد بن حنبل نے ظاہر حدیث پر اپنے عمل کی بنیاد رکھی اور ان کے باہم تعارض کو مقدم و موخر نیز مناسب ترتیب دے کر اس کو رفع کیا۔"۴۹

حنفی مذہب میں 'قیاس' کو غیر معمولی اہمیت ہے۔ جس پر بعض دوسرے لوگوں نے ہمیشہ تنقید کے نشتر چلائے ہیں۔ اس حوالے سے شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں:

"امام اعظم نے قیاس اپنی جیب سے نہیں نکالا تھا۔ حدیث کے ظاہری معنی کو امام اعظم ترجیح نہیں دیتے بلکہ جو کچھ قرآن اور حدیث مشہور کے اصول کلیہ کے خلاف پاتے اس کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اصل کو بھی ترک نہیں فرماتے تھے بلکہ باہم تطبیق دینے کے لئے تاویل کر کے مشترک معنی لے لیتے (مگر قواعد کلیہ کو ملحوظ رکھتے)۔"۵۰

شاہ عبدالعزیزؒ کی زندگی کا یہ بھی ایک روشن باب ہے کہ انہوں بڑی تعداد میں مسائل فقہیہ کی تخریج کی اور امت مسلمہ کی رہنمائی فرمائی۔ وہ پیش آمدہ عصری مسائل کا حل دل نشیں پیرائے میں اور بڑی بے باکی سے کرتے۔ فتاویٰ عزیزی کے مطالعہ سے ان کی فقہی مہارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کے لئے انگریزی تعلیم کی حمایت کی تھی اور اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور انگریزوں کی نوکری کو جائز ٹھہرایا تھا۔۵۱ ساتھ ہی انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کو دیکھ کر ہندوستان کو دارالحرب بھی قرار دیا تھا۔ اس عہد کے تناظر میں اس قسم کے فتویٰ کا صادر ہونا جرأت مندانہ اقدام تھا۔ آپ کی فقہی خدمات کے بارے میں ڈاکٹر ثریا ڈار لکھتی ہیں:

"شاہ عبدالعزیزؒ نے فقہ سے متعلق قانون سازی اور فتاویٰ وغیرہ کے فیصلوں کے فرائض نہایت سرگرمی سے انجام دیئے۔ احکام شریعت، اسرار معرفت اور اپنی دینی بصیرت سے رہنمائی حاصل کی اور معاشرے میں پیش آنے والے سماجی، سیاسی اور اجتماعی مسائل کو حالات وزمانہ کے تقاضوں کے تحت حل کیا۔ شاہ صاحب نے اپنے فتاویٰ میں فقہ سے متعلق معاملات، عبادات (خرید و فروخت، عاریت، امانت وضمانت) مناکحات (نکاح، طلاق، عدت، نسب، ولایت، وصیت، وراثت) عقوبات (قتل، چوری، تہمت، قصاص، تعزیرات، خون بہا) مخاصمات (عدالتی مسائل، اصول محاکمہ، قانون مرافعہ) حکومت وخلافت (قومی وبین الاقوامی معاملات، صلح وجنگ کے احکام، وزارت، محاصل) کے علاوہ مسائل نماز، روزہ، حج، مسائل بیع، رہن، ہبہ، سود اور بے شمار مسائل متفرقہ پر فتوے دیئے ہیں۔ آپ نے اپنے علمی تبحر اور دوررس نگاہ سے کتاب وسنت اور فقہ کی اشاعت وتبلیغ کے سلسلے میں عظیم الشان خدمات سرانجام دیں۔"۵۲

شیعیت ورافضیت کا تعاقب

اورنگ زیب عالم گیر کے انتقال کے بعد شیعوں کا اثر ورسوخ بہت زیادہ بڑھ گیا اور سلطنت کے اہم عہدوں تک وہ رسائی حاصل کر چکے تھے۔ ان لوگوں نے بڑی چالاکی سے مغل شہزادوں کو اپنے حصار میں کر لیا اور انہیں اپنا کٹھ پتلی بنا لیا تھا۔ شیعہ کے اثر ورسوخ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وزیر منعم خاں کے سمجھانے بجھانے سے بہادر شاہ اول (۱۷۰۷-۱۷۱۲ء) نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس نے جمعہ کے خطبہ میں خلفائے راشدین کے ذکر میں حضرت علی کے نام کے ساتھ 'علی ولی اللہ وصی رسول اللہ' جوڑنے کا فرمان بھی جاری کر دیا تھا۔۵۳ سید برادران قطب ملک، عبداللہ خاں اور امیر الامرا حسین علی وغیرہ سلطنت میں بڑے بااثر اور اپنے مذہب میں سخت ومتعصب تھے۔ اسی عہد میں تفضیلیت کو بھی پنپنے کا موقع ملا۔۵۴ ذوالفقار الدولہ نجف خاں امیر الامرا (۱۷۷۲-۱۷۸۳ء) بڑا معاملہ فہم اور عالی دماغ بااختیار امیر تھا، وہ جب تک زندہ رہا، شیعیت کو بہت فروغ ملا۔ خود شاہ عبدالعزیزؒ کے کئی رشتہ دار شیعہ مذہب اختیار کر چکے تھے۔ اس میں ایک نام قمرالدین منت حسینی کا بھی ہے، جو آپ کے تلامذہ میں سے تھا۔۵۵ شاہ صاحب تحفہ اثناعشریہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اور جس زمانہ میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اس میں اثنا عشریہ کا غلغلہ اور شہرہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ بہ مشکل کوئی ایسا گھر ہوگا جس میں کوئی نہ کوئی یہ مذہب اختیار نہ کر چکا ہو، یا اس سے متاثر نہ ہوا ہو۔ لیکن ان میں سے اکثریت چوں کہ اپنے علم تاریخ اور مسائل مذہب سے کوری ہے اور اپنے اسلاف اور بزرگوں کے حالات سے یکسر بے خبر اور غافل ہے۔ اس لئے جب اہل سنت کی مجلسوں میں گفتگو کی نوبت آتی ہے تو وہ بے ربط، بے محل اور لایعنی ہوتی ہے۔"۵۶

شاہ عبدالعزیزؒ تشیع کے افکار ونظریات کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنے کے لئے پہلے سے ہی پیش پیش تھے۔ جیسے ہی آپ کی کتاب 'تحفہ اثناعشریہ' سامنے آئی، ہر طرف ہلچل مچ گئی اور ہر جگہ اس کی بازگشت سنائی دینے لگی اور شیعوں کی نفرت کی چنگاری تیز سے تیز تر ہو گئی۔ تحفہ اثناعشریہ کے بعد شاہ صاحب نے ایک رسالہ 'السر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل' تحریر کیا۔ اس میں شیخین کی فضیلت عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں ثابت کی گئی۔ ایک دوسرا رسالہ 'عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس' لکھا۔ اس میں وہ احادیث درج کی گئی ہیں، جو خلفائے اربعہ کے فضائل میں وارد ہوئے ہیں اور اس کے آخری حصے میں اہل بیت کے فضائل والی احادیث بیان کی گئی ہیں۔ 'وسیلۃ النجات' بھی شاہ صاحب کا

ایک شاہ کار رسالہ ہے، جو ایک سائل کے جواب میں قلم بند کیا گیا تھا۔ اس میں دلائل و براہین کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت ہے۔ اس میں خاص طور پر نصوص قرآنی کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ مذکورہ تینوں رسالے فتاویٰ عزیزی اردو میں شامل ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے تحفہ اثنا عشریہ میں جارحانہ لب ولہجہ اختیار نہیں کیا اور نہ الزامی جواب دینے کی کوشش کی، بلکہ سلجھے ہوئے انداز اور ناصحانہ پیرائے میں مع دلیل تشیع کے خود ساختہ عقائد وافکار کو بے نقاب کیا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ نبوت اور خلافت کے معاملے میں اہل تشیع کے جو نظریات ہیں، وہ درست نہیں ہیں۔ مستند شیعی کتب میں اس غلو کی کوئی سند نہیں ملتی۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ خود شیعہ اپنے اصل مذہب پر عمل پیرا نہیں ہیں، پھر کس طرح دوسرے صحیح العقیدہ لوگوں کی تکفیر وتذلیل اور تبرا کو جائز سمجھتے ہیں۔ مولانا سید احمد عروج قادریؒ (۱۹۱۳-۱۹۸۶ء) لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ شیعیت وتفضیلیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو اس دور میں اکابر مشائخ نقشبندیہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ، حضرت شاہ غلام علی نقشبندیؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ وغیرہم نے بڑی پامردی اور ہمت سے روکا اور ان حضرات کے بعد سب سے زیادہ کوشش اس سلسلہ میں شاہ عبدالعزیزؒ نے کی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہ سیلاب بڑھتے بڑھتے خود ان کے خان دان میں داخل ہو چکا تھا۔ ان کے شاگرد اور رشتہ دار قمر الدین منت شیعہ ہو چکے تھے۔ ان حالات میں شاہ عبدالعزیزؒ نے قلمی جہاد فرمایا۔ اس سلسلہ میں ان کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دو معرکۃ الآرا تصانیف 'ازالۃ الخفا' اور 'قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین' نے مشعل راہ کا کام دیا ہوگا۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد کے مشن کو جاری رکھا اور 'ہر چہ پدر تمام نہ کرد پسر تمام کند' کے مقولہ کو ثابت کر دکھایا۔" ۵۷

بعض 'تذکروں' سے پتا چلتا ہے کہ امیر الامرا نجف خاں کو شاہ عبدالعزیزؒ سے سخت پرخاش تھی، کیوں کہ شاہ صاحب کی وجہ سے شیعہ عقائد کو ضرب لگ رہی تھی، جیسے ہی تحفہ اثنا عشریہ سامنے آئی وہ آپ سے مزید دشمنی کرنے لگا۔ چنانچہ اس نے آپ کے اور آپ کے اہل خانہ کے لئے جلاوطنی کا فرمان جاری کروا دیا اور آپ کی جاگیر کو بھی سلب کر لیا۔ فرمان کے بموجب شاہ عبدالعزیزؒ جون پور چلے گئے اور شاہ رفیع الدینؒ لکھنو۔ اتنا لمبا سفر دونوں حضرات کو پیدل ہی کرنا پڑا، کیوں کہ سواری استعمال نہ کرنے کی ہدایت تھی۔ دوران سفر خاص کر شاہ صاحبؒ کو ناقابل برداشت متعدد قسم کی اذیتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ جلاوطنی کی مدت ختم ہونے کے بعد یہ دلی لوٹ کر آئے۔ ۵۸ جاگیر جو ضبط ہوئی تھی، اسے بعد میں ایک انگریز افسر مسٹر سٹین جو آپ کی بڑی عزت کرتا تھا، کی توجہ سے واپس لوٹا دی گئی۔ ۵۹ لیکن اس بات کی بھی کوئی ٹھوس شہادت نہیں ملتی کہ شاہ صاحب کی جاگیر کب کس وجہ سے اور کس نے ضبط کی تھی؟

فتویٰ 'دارالحرب' جرأت مندانہ اقدام

شاہ عبدالعزیزؒ کا زمانہ مغلیہ سلطنت کے انتہائی زوال کا عہد تھا۔ انہوں نے اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے اتار چڑھاؤ کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ مرہٹے، جاٹ، سکھ اور روہیلوں کے بار بار کے حملوں کا بھی مشاہدہ کیا تھا۔ ان کے مظالم کو دیکھ کر وہ خون کے آنسو روتے تھے اور ان سے نجات پانے اور ان کی بربادی کی دعائیں کرتے تھے۔ اپنے ایک منظوم خط بزبان عربی جو انہوں نے اپنے چچا شاہ اہل اللہؒ (۱۷۰۸-۱۷۷۲ء) کو تحریر کیا تھا، میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ سکھ اور مرہٹوں کو ہماری طرف سے بدلہ چکھائے۔ بہت برا بدلہ اور جلد چکھائے۔ ان دونوں نے بہت سی اللہ کی مخلوق کو قتل کیا اور بیچارے گڈریوں جاہلوں کو بھی انہوں نے دکھ پہنچایا۔ ہماری بستیوں اور آبادیوں میں ہر سال لوٹ مچاتے ہیں اور ہمارے علاقوں میں دن دہاڑے اور شام کو پہنچتے ہیں۔ پھر کیا پناہ لینے والوں کے لئے یہاں کوئی جائے پناہ ہے؟ اور ہے کوئی ایسا فرد جو اللہ سے ڈرتا ہو اور انصاف کر سکتا ہو۔" ۶۰

ان لوگوں نے سلطنت دہلی سے بغاوت کر کے خود مختار حکومت بھی قائم کر لی تھی۔ جہاں کفریہ امور علی الاعلان انجام دیئے جاتے تھے، مسجدوں اور خانقاہوں کو روندا اور منہدم کیا جاتا تھا۔ بعض علاقوں میں مسلمانوں کا رہنا بہت مشکل ہو گیا تھا اور وہ بے بس ہو گئے

تھے۔ ۶۱؎ تاہم اب بھی یہ ملک اور علاقہ مغلیہ سلطنت کی ماتحتی میں تھا اور گویا اس کا ایک امیر تھا، اگرچہ ان کی سیاسی قوت کو گھن لگ گیا تھا۔ تاہم اس وقت تک برصغیر شریعت کی رو سے دارالاسلام تھا۔

دوسری طرف ایسٹ انڈیا کمپنی بہ تدریج اپنے اثرات کو بڑھانے میں لگی ہوئی تھی۔ ۱۷۵۷ء میں پہلے اس نے بنگال کے نواب سراج الدولہ کو پلاسی کے میدان میں شکست دے کر کچھ شرطوں کے ساتھ اسے اپنا مطیع بنایا۔ ۱۷۶۴ء میں بکسر کے میدان میں شجاع الدولہ کو شکست دی۔ اس کے بعد اس نے جنوبی ہند کا رخ کیا اور کافی مزاحمت کے بعد ۱۷۹۹ء میں سرنگا پٹنم کے مقام پر ٹیپو سلطان کو شہید کر کے سلطنت خداداد کی مالک بن گئی۔ یہاں تک کہ ۱۸۰۳ء میں مغل شہزادہ کے تمام اختیارات سلب کر کے دہلی کو بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔

اب جب کہ ملک کی سیاسی اور اقتصادی صورت حال یکسر بدل گئی تو ملک کی شرعی حیثیت بھی تبدیل ہو گئی، جس کی وضاحت اس عہد کے تناظر میں ضروری تھی، کیوں کہ اس تبدیلی سے یہاں کے مسلمانوں کو پہلی بار واسطہ پڑا تھا۔ چنانچہ کسی نے شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں ایک استفتا بھیجا اور جاننا چاہا کہ ملک کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ شاہ صاحب کے فتویٰ دارالحرب کو اس وقت کے تناظر میں ہی دیکھا جائے تو نوعیت مسئلہ کی اصل تہہ تک بہ آسانی پہنچا جا سکتا ہے، ورنہ بڑی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ ۶۲؎ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کو ایسٹ انڈیا کمپنی یا انگریزوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کا بخوبی اندازہ تھا۔ پھر بھی انہوں نے بڑی بے باکی اور جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انگریزوں کے زیر تسلط علاقوں کو دارالحرب قرار دیا۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ تبدیلی سلطنت کی وجہ سے خود پڑھے لکھے لوگوں میں بھی یہ بات تسویش کا باعث رہی ہوگی کہ اب ملک کی شرعی حیثیت کیا ہوگی اور ہمارے روزمرہ کے مسائل شریعت کے کس اصول کے تحت حل کئے جائیں گے۔ ان چہ می گوئیوں سے شاہ صاحب بھی باخبر تھے۔ چنانچہ سائل نے مطلق سوال کیا: 'دارالاسلام دارالحرب ہو سکتا ہے کہ نہیں؟' شاہ صاحب نے عمومی صورت حال کے پیش نظر وسیع تناظر میں اس کا نہ صرف جواب دیا بلکہ اس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ظلم وزیادتی اور ناانصافیوں کا بھی ذکر کیا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے درمختار کی طویل عبارت کی روشنی میں بیان کیا کہ کوئی بھی دارالاسلام تین شرطوں کی بنا پر دارالحرب بن جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ برصغیر کے وسیع تناظر میں اس کا درج ذیل جواب تحریر کرتے ہیں:

"اس شہر میں مسلمانوں کے امام کا حکم ہرگز جاری نہیں۔ نصاریٰ کے حکام کا حکم بے دغدغہ جاری ہے اور احکام کفر کے جاری ہونے سے یہ مراد ہے کہ مقدمات انتظام سلطنت اور بندوبست رعایا و تحصیل، خراج اور باج و عشر اموال تجارت میں حکام بطور خود حاکم ہوں اور ڈاکوؤں اور چوروں کی سزا اور رعایا کے باہمی معاملات اور جرموں کی سزا کے مقدمات میں کفار کا حکم جاری ہوا گرچہ بعض احکام اسلام مثلاً جمعہ وعیدین اور اذان اور گاؤکشی میں کفار تعرض نہ کریں، لیکن ان چیزوں کا اصل اصول ان کے نزدیک بے فائدہ ہے کیوں کہ مسجدوں کو بے تکلف منہدم کرتے ہیں۔ جب تک یہ اجازت نہ دیں کوئی مسلمان اور کافر ذمی ان اطراف میں نہیں آسکتا۔ مصلحتاً واردین اور مسافرین اور تاجروں سے مخالفت نہیں کرتے۔ دوسرے امر مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم بلا اجازت ان کے شہروں میں نہیں آسکتے اور اس شہر سے کلکتہ تک ہر جگہ نصاریٰ کا عمل ہے، البتہ دائیں اور بائیں مثلاً حیدرآباد، لکھنؤ اور رام پور میں ان کا حکم جاری نہیں، کیوں کہ ان مقامات کے والیان ملک نے ان سے صلح کر لی اور ان کی فرماں برداری منظور کر لی۔" ۶۳؎

شاہ عبدالعزیزؒ کے اس طرح کے دوسرے فتاوے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے استحکام حکومت کے بعد پیش آمد جدید مسائل کے تناظر میں صادر ہوئے، اس کے بڑے دوررس نتائج پیدا ہوئے۔ بعد کے ادوار میں ہر گروہ اور جماعت نے اس کی الگ الگ توضیح کر کے اپنے مقاصد کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لئے بطور دلیل پیش کیا۔ ۶۴؎ خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو چند خاص چیزوں کا پابند کر دیا اور انہیں غلامی کے طوق سے نجات دلانے کی طرح ڈال دی۔ ۶۵؎ ڈاکٹر سید معین الحق (۱۹۰۱-۱۹۸۹ء) لکھتے ہیں:

''شاہ عبدالعزیز کے کارناموں کی اہمیت کا اندازہ ہم ان کے دو اہم تاریخی فتووں سے لگا سکتے ہیں۔۱۸۰۳ء میں دہلی پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط قائم ہوا۔اس وقت مسلمانوں کے لئے انگریزی تعلیم کا مسئلہ بہت اہم ہو گیا تھا۔عام طور پر اس کو لوگ دین کے خلاف سمجھتے تھے۔لیکن شاہ صاحب نے اس کے جواز میں فیصلہ دیا۔لیکن جب انگریزی حکام نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ اسلامی احکام کی پابندی اور ان پر عمل کرنا مشکل نظر آنے لگا اور یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ اسلامی معاشرہ کی حیثیت بہت جلد ختم ہو جائے گی تو آپ نے کمپنی کے زیر حکومت علاقہ کو دارالحرب قرار دے دیا۔انیسویں صدی کی ربع اول میں یہ جرأت مندانہ فیصلہ معمولی بات نہ تھی۔تاریخی واقعات کا بغور مطالعہ کرنے سے ان دونوں فتووں کے دیر پا اور دور رس نتائج صاف طور پر نظر آجاتے ہیں۔انگریزی حکومت کے خلاف علما کے جہاد کا سلسلہ یہیں سے شروع ہو جاتا ہے۔ایک طبقہ نے جہاد بالقلم اور دوسرے نے جہاد بالسیف کو اختیار کیا۔پہلے گروہ نے عیسائی مشنریوں کی چیرہ دستیوں کا مقابلہ تحریر اور تقریر کے ذریعہ کیا اور دوسرے گروہ نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف کھلے میدان میں جنگ کی اور دین اور قوم کی خاطر شہادت سے سرفراز ہوئے۔''۶۶

تصنیفی شاہکار

شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی دیگر اصلاحی خدمات کے ساتھ ساتھ قلم قرطاس سے بھی مضبوط رشتہ بنائے رکھا اور آپ کی نوک قلم سے بڑی وقیع کتابیں اور رسالے معرض وجود میں آئے، جو شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں اور مشعل راہ بھی ہیں۔یہ تحریری سرمایہ ان کی علمی تبحر، زبان دانی، ادبیت کی چاشنی، پیرایہ بیان، سلاست وروانی کے ساتھ تحقیق کا اعلیٰ معیار پیش کرتی ہیں۔دل چسپ بات یہ ہے کہ ان میں کم ہی کتابیں ایسی ہیں جسے انہوں نے خود سے لکھا، بلکہ بیش تر کتابوں کا انہوں نے املا کرایا تھا، کیوں کہ وہ بصارت سے محروم ہو گئے تھے۔یہ کتابیں کسی بڑے علمی تقاضے کے پیش نظر تحریر کی گئیں تھیں۔یہاں شاہ صاحبؒ کی ساری کتابوں کی تعداد کا تعین اور ان کا تنقیدی مطالعہ پیش نہیں کیا جاسکتا۔اس لئے ہم اختصار کے ساتھ ان کی چند اہم اور مشہور کتابوں کی قدر وقیمت کو تلاش کریں گے، جس سے اندازہ لگایا جاسکے کہ یہ کتابیں سماجی و معاشرتی اصلاح میں کتنی معین ثابت ہوئیں۔طویل عرصہ گزر جانے کے بعد آج بھی اس کی غیر معمولی اہمیت برقرار ہے۔یوں تو ان کی چھوٹی بڑی کتب، شروح وحواشی، رسائل، ملفوظات ومکتوبات، کمالات اور تعبیرات وغیرہ کی فہرست سازی کی جائے تو ان کی تعداد کئی درجن تک ہو سکتی ہے۔پروفیسر محمد اقبال مجددیؒ نے 'مقالات طریقت' کے مقدمہ میں اس کی ایک فہرست درج کی ہے، جس کی رو سے اس کی تعداد تینتیس ہے۔۶۷

فتح العزیز/تفسیر عزیزی:

شاہ عبدالعزیزؒ نے قرآن مجید کی جو تفسیر فتح العزیز کے نام سے لکھی وہ بڑی مہتم بالشان ہے۔اس میں ایسے تفسیری نکات زیر بحث آئے ہیں جو ما قبل کی تفاسیر میں نظر نہیں آتے۔یہ آسان فارسی زبان میں تحریر کی گئی تھی، بلکہ اسے اپنے ایک شاگرد اور مرید شیخ مصدق الدین عبداللہ کے استدعا پر اپنے قوت حافظہ کے بل بوتے املا کروایا تھا۔تفسیر مکمل ہے یا نا مکمل، اس بارے میں الگ الگ رائے ملتی ہے۔۶۸ دستیاب تفسیر کی روشنی میں یہی متفق ہے کہ آخر کے دو پارے اور سورہ فاتحہ وبقرہ کی تفسیر لکھی گئی تھی۔اس تفسیر کی غیر معمولی اہمیت اور انفرادیت کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رقم طراز ہیں:

''لیکن اس عدم تکمیل کے باوجود اس تفسیر میں بہت سے ایسے نکات وتحقیقات ہیں جو بہت سی مشہور تفاسیر میں نہیں ملتیں، شاہ صاحب کے درس تفسیر اور آپ کی کتاب تفسیر فتح العزیز میں ان مسائل پر خاص طور پر محققانہ کلام کیا گیا ہے، جن کے بارے میں اس وقت کے علما نے تحقیق وصاف بیانی سے کام نہیں لیا تھا، اور اس کی وجہ سے عوام کی ایک بڑی تعداد فساد عقیدہ اور مشرکانہ اعمال تک میں گرفتار تھی، مثلاً آیت: وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ کی تفسیر جو اس کتاب کے خصوصی مقامات میں سے ہے، اسی

طرح سحر کی بحث(وَمَاکَفَرَ سُلَیۡمَانُ الخ کے ذیل میں)اور بعض دوسری آیات کے سلسلہ میں تحقیقات نادرہ،اس کتاب کی خصوصیات میں سے ہیں۔"۶۹؎

تفسیر فتح العزیز کی اشاعت کئی بار مختلف جگہوں سے ہوئی۔ بعد میں متعدد لوگوں نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ پارہ اول کا ایک ترجمہ مولوی محمد علی چاند پوری نے اور دوسرے پارے کے چند رکوعات کا ترجمہ محمد ہاشم دہلوی نے کیا جو تفسیر عزیزی کے نام سے مختلف جگہوں سے شائع ہوئی۔ بعد میں مطبع مصطفائی دہلی نے شائع کیا۔۱۸۹۴ء میں مطبع فاروق دہلی نے بھی اسے شائع کیا۔ اسی ترجمہ کو مطبع مجیدی کان پور نے شائع کیا اور ایسا لگتا ہے کہ یہی ترجمہ اب ہر جگہ سے شائع ہو رہا ہے۔ ایک ترجمہ جواہر عزیزی کے نام سے چار جلدوں میں سید محمد محفوظ الحق قادری نے ۱۹۸۹ء کیا، جس کو نوریہ رضویہ پبلیکیشنز لاہور نے ۲۰۰۸ء میں اور دوسری مرتبہ ۲۰۱۱ء میں شائع کیا۔

بستان المحدثین:

بستان المحدثین بھی بڑی مشہور و مقبول کتاب ہے، جو فارسی زبان میں تحریر کی گئی تھی۔ کب لکھی گئی اور کیا شاہ عبدالعزیزؒ نے اس کو بھی املا کرایا تھا، اس کا پتہ نہیں چلتا۔ اس میں شاہ صاحب نے سو سے زائد کتب حدیث کا تعارف پیش کیا ہے اور ان کے مؤلفین کے حالات وواقعات کو کمال احتیاط کے ساتھ اور محققانہ و دل نشیں پیرائے میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مقام و مرتبہ کا تعین کیا ہے۔ کتاب کی تصنیف کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کے بارے میں خود شاہ صاحب کتاب کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

"چوں کہ اکثر رسالوں اور تصنیفوں میں ایسی کتابوں سے حدیثیں نقل کی جاتی ہیں، جن پر اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے سننے والوں کو حیرانی پیش آتی ہے، اس وجہ سے اصل مقصود تو انہی کتابوں کا ذکر ہے، مگر تبعاً ان کے مصنفین کا بھی ذکر کیا جائے گا، کیوں کہ مصنف سے اس تصنیف کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ نیز ہمارا مقصود فقط متون کا ذکر ہے، مگر بعض شرحوں کا بھی اس وجہ سے ذکر کیا جائے گا کہ کثرت شہرت اور کثرت نقل اور زیادتی اعتماد کی وجہ سے اگر ان کو متون کا حکم دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔"۷۰؎

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ تاریخ حدیث اور محدثین کے حالات پر یہ کتاب بڑی وقیع ہے۔ اس کا مطالعہ طالب علم کو دیگر دوسری کتابوں کے مطالعہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ مولوی محمد رحیم بخش لکھتے ہیں:

"فی الواقع یہ کتاب سلسلہ تاریخ کا بہت بڑا ذخیرہ اور مخزن ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کے بعد سے جن مصنفوں نے سلف کی یادگار میں کتابیں لکھی ہیں وہ در حقیقت اسی کے خوشہ چیں ہیں۔"۷۱؎

اس کتاب کو ۱۹۴۶ء میں مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ نے اردو قالب میں ڈھالا تھا۔ ۲۰۱۲ء میں اس کی جدید اشاعت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ سے ہوئی، ڈاکٹر اکرم ندوی نے محققانہ انداز میں اس کی تبویب و تخریج کی ہے، جس سے اس کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ کتاب کے ابتدائیہ میں مولانا نور الحسن کاندھلوی نے پوری تفصیل درج کر دی ہے کہ بستان المحدثین کب اور کہاں سے شائع ہوئی اور اب تک یہ کتنی بار شائع ہوئی ہے۔ اس کا ایک عربی ترجمہ ڈاکٹر اکرم ندوی نے کیا، جس کی اشاعت ۲۰۰۲ء میں دار الغرب بیروت سے ہوئی۔

عجالہ نافعہ:

رسالہ 'عجالہ نافعہ' بزبان فارسی علم حدیث اور سند حدیث پر مشتمل ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے اسے اپنے ایک شاگرد مولانا قمر الدین منت حسینی (۱۷۴۶-۱۷۹۴ء) کے استدعا پر سند حدیث عطا کرنے کے تحت لکھا تھا۔ (یہ وہی قمر الدین ہیں جنھوں نے بعد میں شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا۔) اس میں کل دو فصول ہیں۔ یہ کمیت کے اعتبار سے تو ایک مختصر رسالہ ہے، جو چند صفحات میں ہے، مگر کیفیت کے اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ ہر عہد میں اس کتاب کی ضرورت محسوس کی گئی۔ حدیث کے طالب علموں کے لئے اصول حدیث اور سند حدیث کو سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ اس رسالہ کے بارے میں شاہ عبدالعزیزؒ ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

"اس فن شریف کے تھوڑے سے متعلقات کو اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے، اور بقیہ کو ان کے روشن اور ہوشیار اور ذہین طبیعت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔"۷۲؎

رسالہ کے آخیر میں وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

''اب اس رسالہ میں جو کچھ ذکر ہوا ہے وہ بطور نمونہ کافی ہے، ورنہ ان مطالب کی تفصیل کے لئے تو ایک دفتر درکار ہے اور بفضلہ تعالیٰ اس علم کی اکثر ضروریات ہر طرف اور ہر ملک میں پائی جاتی ہیں، بلکہ صحیح و سقیم میں تمیز، ذہن کی استقامت، طبیعت کی سلامتی، نیز خطا کی طرف مائل نہ ہونا اور ادنی تنبیہ سے راہ ثواب کو اختیار کرنا، ایک بڑی نعمت ہے۔''۴۳

'اٹھارہویں صدی عیسوی میں برصغیر میں اسلامی فکر کے رہنما' (مجموعہ مقالات) کے مرتب محمد خالد مسعود رسالہ ہذا کے مندرجات کی روشنی میں اس کی اہمیت وافادیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مختصر رسالہ عجالہ نافعہ اصول حدیث پر لکھا گیا جس کا مقصد صحیح اور ضعیف حدیث کی پہچان کے طریقے بیان کرنا تھا۔ آپ نے اس رسالے میں متاخرین محدثین پر تنقید بھی کی کہ انہوں نے غیر معتبر کتابوں کی حدیثوں پر انحصار کیا ہے۔ آپ نے درایت حدیث کے اصول بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جو حدیث مشہور تاریخی واقعے یا عقل و شرع کے مقتضیات کے مخالف ہو اور ترغیب و ترہیب میں مبالغہ آمیز ہو، وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔ وضع حدیث کے اسباب بیان کرتے ہوئے آپ نے وضاحت کی کہ اس میں زیادہ حصہ خلفا اور امرا کے مصاحبین کا ہے جنہوں نے خوشامد کے لئے حدیثیں گھڑیں، پھر زہاد، عباد اور ایسے لوگ بھی اس میں شامل ہیں جنہوں نے نیک نیتی سے حکمت و اخلاق کی اچھی باتیں رسول اللہ سے منسوب کر دیں۔''۴۴

یہ کتاب پہلی بار ۱۸۳۹ء میں غالباً مطبع مصطفائی لکھنو سے شائع ہوئی تھی۔ بعد میں کئی لوگوں نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ عمدہ اور سلیس ترجمہ ڈاکٹر مولانا عبد الحلیم چشتیؒ (۱۹۲۹-۲۰۲۰ء) نے کیا اور ساتھ ہی اس کی عمدہ شرح بھی تحریر کی، جس کا نام 'فوائد جامعہ شرح عجالہ نافعہ' ہے۔ ۱۹۶۴ء میں نور محمد اصح المطابع کراچی سے شائع ہوئی تھی۔ یہی کتاب ڈاکٹر چشتی کی نظر ثانی اور اضافے کے ساتھ مکتبہ الکوثر، کراچی سے ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی، جو ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

فتاویٰ عزیزی:

شاہ عبد العزیزؒ کو فقہ و فتاویٰ کے کتابوں کی کلیات و جزئیات اور اس کی طویل عبارتیں مستحضر تھیں اور وہ فتاویٰ نویسی کے اصول و مبادی سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان کے فتاوی میں قرآن و حدیث کو ترجیحی مقام حاصل ہے، اس کے بعد ہی وہ فقہی کتابوں کی طرف مراجعت کرتے اور بصائر و نظائر، مصالح مرسلہ، عرف و عادات وغیرہ کی روشنی میں مسائل کا استخراج کرتے ہیں۔ مسئلہ کی تفہیم میں آسانی سے کام لیتے تھے۔ ان کی حالات و زمانہ پر نظر تھی، اس کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر ہی فتویٰ صادر کرتے تھے۔ فتاویٰ کی غیر معمولی اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر ثریا ڈار لکھتی ہیں:

''شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی مذہبی اور علمی جواہر ریزوں پر مشتمل فارسی تصنیف 'فتاویٰ عزیزی' کی دو جلدیں آپ کے تبحر علمی کا نچوڑ اور دینی معلومات کا وقیع سرمایہ ہے۔ فقہ و عقائد، تفسیر و تشریح اور تصوف و کلام کے اس مقبول و معروف دینی و علمی مجموعے سے ملت اسلامیہ کے تمام طبقات کے علما و طلبا اور متلاشیان حق ہر دور میں مستفید ہو سکتے ہیں۔ اہل اسلام آپ کے علمی و مذہبی مقام اور مسلمانان برصغیر آپ کی دینی و علمی خدمات سے بخوبی واقف ہیں۔ شرعی احکام اور عجیب و غریب مسائل دینیہ کے تحقیقی جوابات پر مشتمل آپ کا یہ بیش بہا علمی خزانہ آپ کے تبحر علمی کا واضح ثبوت ہے۔ اس تصنیف میں آپ بہ یک وقت ایک عظیم فقیہ، صوفی، متکلم، مفسر اور محدث دکھائی دیتے ہیں۔ شاہ صاحب اپنے زمانے میں ہمیشہ ہندوستانی مسلمانوں کے درس و تدریس، افتا و فصلِ خصومات اور ان کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کے وسیع پیمانے پر سوالوں کے جواب دینا آپ کی تمام علوم ظاہری و باطنی میں کامل مہارت کی ایک پختہ دلیل ہے۔''۴۵

فتاویٰ عزیزی دو جلدوں میں بزبان فارسی شائع ہوئی تھی۔ بعد میں اس کا اردو ترجمہ ہوا تھا۔ ترجمہ مولانا محمد نواب علی اور مولانا عبد الجلیل نعمانی نے کیا تھا، جو مطبع کنز العلوم حیدرآباد (دکن) سے ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد مولانا عبد الواحد نولوی غازی پوری نے

پہلی جلد کا ترجمہ ۱۹۰۳ء میں اور دوسری جلد کا ۱۹۰۵ء میں سرورِ عزیزی المعروف فتاویٰ عزیزی کے نام سے کیا، جو مطبع مجیدی کان پور سے شائع ہوا تھا۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیزؒ کے نہیں ہیں، بلکہ کسی اور کے ہیں، جسے ان کے نام سے منسوب کر کے چھاپ دیا گیا ہے۔ شاہ صاحب کے ایک معتبر سوانح نگار نے واضح کیا ہے کہ اس مجموعہ میں شامل چند ایک فتاویٰ کے بارے میں شبہ تو کیا جاسکتا ہے، مگر مکمل کے بارے میں ہر گز نہیں۔۷۶

تحفہ اثنا عشریہ:

شاہ عبدالعزیز کے گلستان علم و عمل میں 'تحفہ اثنا عشریہ' کی حیثیت اس پھول کی مانند ہے کہ وقت گزرنے کے بعد بھی مشام جاں کو معطر کرنے والی اس کی خوشبو کا اثر زائل نہیں ہوتا، بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے شاہ صاحب کی کشادگی علم، بسیار مطالعہ، پیرایہ بیان، ادبیت کی چاشنی اور خاص بات یہ کہ ان کے معتدل نقطہ نظر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب 'ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ' کا سراپا مصداق ہے۔ کتاب کی اشاعت کے بعد شاہ صاحب بھی اہل تشیع کے عتاب کا شکار ہوئے تھے۔ اس کی رد میں اہل تشیع کے بڑے بڑے عالموں نے اپنی علمی توانائی صرف کر دی، پھر بھی آج تک اس کا رد تیار نہ کیا جاسکا۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے عہد میں سیاسی بساط میں غیر متوقع الٹ پھیر ہو رہی تھی، مسلم دشمن عناصر اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر پورے ملک میں بے اطمینانی پیدا کر رہے تھے، جس کا زور توڑنا ضروری تھا، اور یہ اسی وقت ممکن تھا کہ دونوں فرقوں یعنی شیعہ اور سنی کو افہام و تفہیم کے ذریعے یکجا کیا جائے۔ چنانچہ اس کتاب نے ہم آہنگی کی فضا ہموار کرنے میں سنگ میل کا کام کیا۔ شاہ صاحب کی نیک نیتی رنگ لائی، جس کا نظارہ بڑی حد تک اس وقت دیکھنے کو ملتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انگریزوں کے خلاف برصغیر کی ساری مخالف طاقتیں متحد ہو گئی تھیں، مگر قسمت کا فیصلہ لوح ازل میں محفوظ ہو چکا تھا اور غلامی کا طوق یہاں کا مقدر بن چکا تھا، اس لئے وہی ہوا جو ہونا تھا۔ تحفہ کی غیر معمولی اہمیت اور اس کے علمی مقام و مرتبہ کا تعین کرتے ہوئے شیخ محمد اکرام (۱۹۰۸-۱۹۶۳ء) لکھتے ہیں:

> "تحفہ اثنا عشریہ فی الحقیقت ایک معرکۃ الآرا کتاب تھی اور شاہ عبدالعزیزؒ نے اس کی تالیف میں بے حد محنت اور جاں فشانی سے کام لیا۔ اس سے پہلے مختلف شیعہ سنی مسائل پر کتابیں تصنیف ہوئیں۔ خود شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے قرۃ العین فی تفضیل شیخین، ازالۃ الخفا اور بعض رسائل میں ان مسائل سے بحث کی تھی، لیکن ایسی جامع اور مانع کوئی کتاب نہ تھی۔ فی الحقیقت تحفہ اثنا عشریہ شیعہ سنی مسائل کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے.... لیکن چونکہ بیان میں بڑے ایجاز و اختصار سے کام لیا گیا ہے، اس لئے مطالب و معانی اور دلائل و حوالے بے شمار آ گئے ہیں۔ کتاب کے جامع و مانع ہونے کے علاوہ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ روایات و بیانات کے انتخاب میں اصول حق کو پوری طرح محفوظ رکھا گیا ہے۔ شیعہ مذہب اور خیالات کے بیان میں فقط مستند اور معتبر شیعہ کتب پر انحصار کیا گیا ہے اور تواریخ و تفسیر میں سے فقط انہی چیزوں کو چنا ہے جن پر شیعہ سنی دونوں فریق متفق ہیں۔ کتاب کی زبان اور طرز بیان بھی متین اور مہذبانہ ہے۔"۷۷

اس کی پہلی اشاعت ۱۷۹۹ء میں کلکتہ سے ہوئی تھی۔ بعد میں اس کا اردو ترجمہ مولوی عبدالمجید پیلی بھیتی نے کیا جو ہدیہ مجیدیہ کے نام سے شائع ہوا۔ ایک ترجمہ مولوی سعد حسن خاں یوسفی ٹونکی نے کیا تھا۔ ایک اور ترجمہ سلیس اردو میں مولانا خلیل الرحمن مظاہری نے کیا جس کو دارالاشاعت کراچی نے ۱۹۸۲ء میں شائع کیا تھا۔ بڑی تقطیع میں اس کی ضخامت ۷۵۹ صفحات ہے۔ عربی زبان میں اس کا ترجمہ مولوی اسلمی مدراسی نے ۱۸۵۵ء میں کیا تھا۔

سر الشہادتین:

شاہ عبدالعزیزؒ کا یہ مختصر رسالہ عربی زبان میں ہے، جو تحفہ اثنا عشریہ کی تصنیف سے کچھ پہلے لکھا گیا تھا۔ اس میں نواسہ رسول حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کی شہادت کے واقعات کو اتنی صاف گوئی اور حقیقت پسندی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ بعض سنی

حضرات بھی یہ گمان کرنے لگے کہ کہیں شاہ صاحب اہل تشیع سے متاثر تو نہیں ہو گئے ہیں۔ بلکہ انہوں نے اس کتاب کے ذریعے اس غلو کو بے نقاب کیا جو نواسہ رسول کی شہادت کو لے کر سنیوں میں پائے جاتے تھے۔ ساتھ ہی اس میں ان کے فضائل کو بھی اعتدال کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ امام حسن اور حسین کی شہادت دراصل پیغمبر اسلام کی ہی شہادت ہے اور جو لوگ یزید کی حمایت میں طرح طرح کی دلیلیں گڑھ کر عوام میں پھیلاتے ہیں وہ غلط ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ نواسہ رسول کی شہادت جس درجے کی ہوئی وہ کسی اور کو نصیب نہ ہوئی۔ اس میں شہادت سری و شہادت جہری کے فرق کو بھی واضح کیا گیا ہے۔۷۸ شاہ صاحب نے اس نقطہ کی بھی وضاحت کی کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ شہادت حسنین کے غم سے اللہ کی ہر مخلوق رنجیدہ اور افسردہ تھی۔ حیات عزیزی کے مصنف اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "شاہ صاحب نے اس میں کربلا کی دردانگیز اور پر ملال واقعات کی ہو بہو تصویر کھینچی ہے اور ان میں تمام صحیح و معتبر روایات کا ایک جگہ ڈھیر لگا دیا ہے، جن میں کسی کو گنجائش کلام نہیں۔ حضرات امام حسنین کے پر درد حالات اور لوگوں نے بھی جمع کر کے مختلف پیرایہ میں بڑی بڑی کتابیں تالیف کے سانچے میں ڈھالے ہیں، مگر ان میں سے اکثر پر تو اس درجہ رنگ آمیزی اور مبالغہ کا پوڈر پھیرا گیا ہے جن سے اصلی واقعات بھی قابل اعتبار خیال نہیں کئے جاتے اور بعض کتابوں کے مقاصد پر ان مصنوعی اور بناوٹی روایات کا روغن چڑھایا گیا ہے جو ہوش مندوں کے نزدیک بڑھیوں کی فضول کہانیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ یہ کتاب ان تمام باتوں سے بالکل پاک صاف ہے۔ اس میں وہی معتبر اور صحیح واقعات درج ہیں جو بالکل مسلم الثبوت اور معتبر کتابوں سے چھانٹے گئے ہیں۔"۷۹

اس کتاب کا اردو ترجمہ مرزا حسن اور مولوی خرم علی بلہوری نے کیا تھا، جس کی اشاعت ۱۸۵۵ء میں ہوئی تھی۔ ایک ترجمہ مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی نے کیا تھا۔ ایک اور اردو ترجمہ مولانا ریاض احمد صمدانی کا ملتا ہے، جس کی اشاعت مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور سے ہوئی ہے۔ حال ہی میں ابوالحماد محمد احمد نے آسان اردو میں اور صاف ستھرے انداز میں اس کا ترجمہ کیا ہے اور اس میں وارد احادیث اور واقعات کی تخریج بھی کر دی ہے۔ اس کی اشاعت ۲۰۱۲ء میں مکتبہ برکاتیہ قصور پاکستان سے ہوئی ہے۔

ملفوظات عزیزی:

شاہ عبدالعزیزؒ کی علمی مجالس کے احوال کو قلم بند کرنے کا کام ان کے آخیر زمانے میں عمل میں آیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ دنوں تک یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ اس میں بیان کی گئی ہر بات شاہ صاحب کی وقیع اور طویل تجربات و مشاہدات پر مبنی ہے۔ اس میں ان باتوں کا بھی ذکر ہے جو اسلام کے شاندار ماضی کی یاد دلاتی ہیں اور اس میں عبرت و نصیحت کا سامان بھی ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کا تنزل کیوں اور کیسے ہوا؟ اس کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ علم صرف قرآن و حدیث کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اصل ہیں، اس کے ساتھ ان گنت وہ علوم و فنون ہیں جن سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے اور جن کا جاننا اور ان میں کمال پیدا کرنا ضروری ہے۔ اس کے مطالعہ سے خواجہ اجمیری، خواجہ نظام الدین، خواجہ فرید الدین گنج شکر اور بہت سارے دوسرے صوفیا کرام کے علاوہ نظامی، گنجوی، خسرو، سعدی، رومی، غزالی، رازی، فارابی اور دیگر فکری رہنماؤں کے بلندی درجات اور دینی و علمی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے جو اسلامی دنیا کے لئے عظیم سرمایہ تھے۔ انہوں نے فقہائے اسلام اور علماء کرام و محدثین عظام کی بے لوث علمی خدمات کا بھی اعتراف بلا کسی تفریق و امتیاز کیا ہے۔ بادشاہوں کی عیش و عشرت اور ان کے غیر ذمہ دارانہ عمل کے ساتھ اہل تشیع کی گمراہوں پر جگہ جگہ وضاحت کی گئی ہے۔ گویا کہ ملفوظات عزیزی معلومات کا خزانہ ہے اور اس میں علم و عمل کے خوش نما رنگ برنگے پھول ہیں، جتنا درکار ہو اس کی خوش بو سے خود کو معطر کر لیا جائے۔ تاہم اس کے بعض مندرجات میں سقم بھی ہے اور بعض واقعات کو بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے، جو شاہ صاحب کی ذات اعلیٰ مرتبت کے منافی ہے۔ ممکن ہے جامع ملفوظات نے فرط محبت میں یا کسی بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس طرح کی چیزوں کو بیان کر دیا ہو، یا پھر بعد کے لوگوں میں سے کسی نے تلبیس کر دی ہو۔۸۰

ملفوظات عزیزی کو ان کے ایک مرید نے جمع کیا تھا جن کے نام کا پتا نہیں چلتا۔ اس کی زبان فارسی تھی۔ بعد میں اس کا اردو ترجمہ کئی لوگوں نے کیا۔ سب سے پہلے اس کا اردو ترجمہ ۱۸۹۵ء میں مطبع مجتبائی میرٹھ سے شائع ہوا، اس کے دو سال کے بعد مولوی عظمت الٰہی اور

مولوی ہاشم کے اردو ترجمہ کو مطبع ہاشمی میرٹھ نے شائع کیا۔ عمدہ اور صاف ستھرا ترجمہ مولوی محمد علی قریشی اور مفتی انتظام اللہ شہابی نے کیا، جسے ۱۹۶۰ء میں پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز کراچی نے شائع کیا۔

تقریر و خطابت کی سحر انگیزی

شاہ عبدالعزیزؒ ایک دن ارشاد و تلقین کی مجلس میں مریدین و متوسلین سے مخاطب تھے۔ کسی بات پر شاہ صاحب نے فرمایا: والد محترم شاہ ولی اللہ کا درس بڑا مقبول تھا اور ان کی تحریر و تقریر بڑی مرصع ہوتی تھی۔ اس پر مجلس میں موجود ایک صاحب نے عرض کیا: حضرت کی تقریر بھی مرصع ہوتی ہے کہ عوام اس کو سن کر جھومنے لگتے ہیں۔۸۱ اس سے اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ وہ ایک بہترین مقرر اور واعظ بھی تھے۔ انہیں اپنی تقریر اور خطابت پر اطمینان تھا۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتے اور علمی کاموں میں مشغول رہتے، بادشاہ اور امرا کی مصاحبت پسند نہیں کرتے تھے، مگر دینی مصالح کے تحت بعض وقت وہ اس کو بھی گوارا کر لیتے تھے۔ اس تناظر میں ایک موقع سے آپ نے جو بات فرمائی اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑے بے نیاز آدمی تھے اور ان کا وعظ بہت موثر تھا:

"غازی الدین حیدر بلا منصب و جاگیر مجھے طلب کرے تو میں جانے کو تیار ہوں، بشرطیکہ تعرض نہ کرے اور انشاء اللہ خلقت الٰہی کو بڑی ہدایت ہوگی اور میں اپنی تقریر میں مناسب تبدیلی کر کے اس کو زیادہ مفید بنادوں گا اور نئے انداز کی تقریر کروں گا جو عوام میں مقبول ہوگی اور لوگ فریفتہ ہوں گے۔"۸۲

شاہ عبدالعزیزؒ کی مجلس وعظ و ارشاد اور درس قرآن میں ہر طبقہ کے لوگ شرکت کرتے اور سب مطمئن ہو جاتے تھے:

"آپ کی تقریر میں بلا کا جادو تھا، جس کا مخالف و موافق پر برابر اور یکساں اثر پڑتا تھا۔ آپ کی شیوا بیانی اور سلجھی ہوئی تقریر کی تمام ہندوستان میں دھوم تھی اور یہ بات تمام لوگوں میں مشہور تھی کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے وہ طرز اختیار کیا ہے کہ ان کی مجلس وعظ سے ہر مذہب و ملت کا شخص خوش ہو کر اٹھتا ہے۔ متعصب اور ہٹ دھرم لوگ بھی آپ کی بات بلا تردد تسلیم کرتے اور حسن تقریر کے آگے اطاعت کی گردنیں جھکا دیتے تھے۔ خواص و عوام مور و ملخ سے زیادہ جمع ہوتے۔ معترضین پہنچتے، مگر سوال نہ بن پڑتا، تقریر میں جو جواب مل جاتا۔"۸۳

ایک شجر جو سایہ دار بن گیا

شاہ عبدالعزیزؒ کا شمار اپنے عہد کی عظیم شخصیتوں میں ہوتا تھا۔ ان کی توجہ اور تربیت سے بیش قیمت لعل و گہر تیار ہوئے۔ ان کی ذات بابرکات دہلی اور اطراف دہلی کے علاوہ اکناف عالم میں مرجع خلائق تھی۔ انہوں نے منصوبہ بند طریقہ سے اور بڑی خاموشی کے ساتھ مسلم سماج میں سرایت خرابیوں کے ازالہ کی کوشش کی اور نہ صرف سماج کے نچلے یا ناخواندہ طبقات پر اپنی توجہ مبذول کی۔ ان کی دینی، علمی و اصلاحی سرگرمیوں کے مطالعہ میں کسی بھی مقام پر جذباتیت کا عنصر نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے مدعا اور لوگوں کے استدعا کی تکمیل بڑے ہی دل نشیں پیرائے میں کرتے کہ ہر کوئی مطمئن ہو جاتا، جس کی وجہ سے عوام و خواص کی قربت آپ سے بڑھنے لگی۔ اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ سر سید احمد خاں لکھتے ہیں:

"یہ آفت جو اس جز و زمان میں تمام دیار ہندوستان خصوصاً شاہ جہاں آباد حرسہا اللہ عن الشر والفساد میں مثل ہوائے وبائی کے عام ہو گئی ہے کہ ہر عامی اپنے تئیں عالم اور ہر جاہل آپ کو فاضل سمجھتا ہے اور فقط اسی پر کہ چند رسالے مسائل دینی اور ترجمہ قرآن مجید کو اور وہ بھی زبان اردو میں کسی نے استاذ سے اور کسی نے اپنے زور طبیعت سے پڑھ لیا ہے اپنے تئیں فقیہ و مفسر سمجھ کر مسائل و وعظ گوئی میں جرأت کر بیٹھا ہے۔ آپ کے ایام حیات تک اِس کا اثر نہ تھا، بلکہ علماء تبحر اور فضلائے مفضی المرام باوجود نظر غائر اور احاطہ جزئیات مسائل کے جب تک اپنا سمجھا ہوا حضرت کی خدمت میں عرض نہ کر لیتے تھے اس کے اظہار میں لب کو وانہ کرتے تھے اور اس کے بیان میں زبان کو جنبش نہ دیتے تھے۔"۸۴

ملفوظات عزیزی کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ کسی اہم موقع سے اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶ـ۱۸۳۷ء) نے شاہ عبدالعزیزؒ سے جامع مسجد تشریف لانے کی درخواست کی۔ آپ وقت مقررہ پر تشریف لے گئے اور بادشاہ کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ آگیا اور سلام و مصافحہ کے بعد شاہ صاحب سے عرض کیا: 'انتظار کی وجہ سے آپ کا بہت حرج ہوا'۔ آپ نے فرمایا: آپ کی اور خلق خدا کی خاطر اگر کچھ وقت صرف ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر بادشاہ نے آپ سے درخواست کی کہ اپنے بھائی مولانا رفیع الدین کو کہئے کہ نماز کی امامت کریں۔ آپ نے بادشاہ سے فرمایا: جامع مسجد کے امام آپ کے حکم کے تابع دار ہیں، آپ ان کو حکم دیں، وہ ضرور اس کی پیروی کریں گے۔ پھر بادشاہ نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور بیٹھنے کی درخواست کی۔ آپ نے علیحدہ بیٹھنے کی معذرت کرلی۔ باوجود اس کے بادشاہ نے اپنے قریب بیٹھایا، تاہم دوں کے درمیان کچھ فاصلہ بنا رہا۔۸۵؎

شاہ عبدالعزیزؒ نے لائق و فائق اور ملی ہمدردی سے سرشار شاگردوں کی ایک بڑی تعداد تیار کرلی تھی، جو خود ایک انجمن تھے اور جن کا اپنا ایک الگ حلقہ تھا اور عوام الناس میں وہ بھی معزز تھے۔ انہوں نے شاہ صاحب کے منصوبے کے مطابق اپنے اپنے ذوق کے اعتبار سے خدمت خلق کا فریضہ انجام دیا اور دین کی خدمت میں مصروف رہے۔ شاہ صاحب کمزور سلطنت کو گرنے سے تو نہ بچا سکے اور یہ ان کے دائرہ کار میں بھی نہیں تھا، مگر ان کے کرنے کا جو اصل کام تھا وہ یہی تھا کہ مسلم معاشرہ میں دین کی روح بیدار کی جائے اور ان کے ایمان و یقین کو مستحکم کیا جائے۔ اس میں آپ بڑی حد تک کامیاب ہوئے اور جس کے دوررس نتائج بھی برآمد ہوئے، جو آگے چل کر ایک بڑی دینی تحریک بن کر ابھری جو انگریزوں کے ظلم و جور کے آگے سد سکندری بن گئی۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

"آپ نے سب سے پہلے تو یہ کیا کہ عوام مسلمانوں میں اسلامی عقائد و اخلاق کے متعلق جو غلط فہمیاں رائج ہو چکی تھیں، ان کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی۔ عملاً اس کا مطلب یہ تھا کہ عوام دوسرے مرشدوں اور عالموں کو چھوڑ کر شاہ صاحب کے گرد جمع ہوتے اور تحریک کی ترقی میں مخالف گروہوں کے لوگ دخل انداز نہ ہو سکتے۔ یہ امام عبدالعزیز کے پروگرام کا پہلا درجہ تھا۔ دوسرا درجہ یہ تھا کہ آپ نے انقلابی دعوت عام کے لئے ایک مرکز بنایا جس کے ارکان اسماعیل شہیدؒ، سید احمد شہیدؒ اور مولانا عبدالحیؒ تھے اور شاہ محمد اسحاقؒ کو اپنی جگہ مقرر کیا۔ ہماری سمجھ میں اس نئی حزب کے امیر شاہ محمد اسحاقؒ تھے، سید احمد شہید امیر الدعوت اور امیر الجہاد تھے۔ امام عبدالعزیزؒ کا اس سے مقصد یہ تھا کہ آگے چل کر یہ جماعت دہلی کی سلطنت کی کمزوری کو دور کرنے کے لئے برسرکار آئے۔"۸۶؎

آپ کیا گئے پورا عالم سوگوار ہے

شاہ عبدالعزیزؒ ولی اللہی فکر کو دنیا میں متعارف کرانے کے ساتھ درس و تدریس اور تحقیق و تدوین اور معاشرتی اصلاح کے کاموں میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ دین داری، تقوی، راست بازی اور بلندی علم کی وجہ سے ان کی شخصیت بڑی مؤثر ہو گئی تھی۔ انہوں نے بڑی بے نیازی کی زندگی گزاری۔ کبھی دربار شاہی اور امرا سے رابطہ نہ رکھا۔ یہ لوگ بھی آپ کی بڑی عزت کرتے اور ان کی موجودگی کو باعث خیر و برکت سمجھتے تھے۔ آپ کو کلکتہ میں کمپنی کے مدرسے کے لئے پیش کش کی گئی کیوں کہ دہلی میں آپ کے روزگار کا کوئی مستقل سلسلہ نہ تھا، پھر بھی آپ نے سادہ زندگی اور علوم اسلامی کی اشاعت کو زیادہ عزیز سمجھی۔۸۷؎ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم حضرات اور انگریز ان کی بہت عزت کرتے تھے اور ان سے گہرے مراسم تھے۔ بعض انگریز افسر تو اپنی مراد کی تکمیل کے لئے آپ سے دعا و تعویذ بھی کراتے تھے۔ یہاں تک کہ کئی مواقع پر ان سے علمی استفادے کی بھی شہادت ملتی ہے۔۸۸؎ ان کے وعظ و ارشاد سے نہ جانے کتنے لوگوں کے دل کو گرمائے اور بڑی تعداد میں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ ایک موقع سے آپ نے فرمایا: میرے ہاتھوں صدہا ہندو مسلمان ہوئے مگر شیعہ میں صرف دو آدمی۔۸۹؎ آپ غریبوں اور ضرورت مندوں کا بہت خیال رکھتے اور ان کے کام آتے تھے، ہر کسی کی ذات آپ سے کسی نہ کسی طرح وابستہ تھی۔ بہ قول مولانا ابوالحسن علی ندویؒ:

''لوگ آپ سے علمی استفادہ کے لئے حاضر ہوتے، شاعر وادیب، ادبی استفادہ اور اپنا کلام دکھانے کے لئے، اور محتاج وضرورت مند لوگ امرا سے سفارش کرانے اور آپ کی ممکن مدد حاصل کرنے کے لئے آتے، کیوں کہ آپ کے اخلاق کریمانہ کی شہرت عام تھی، اسی طرح مریض دوا علاج کے لئے حاضر ہوتے، اہل جذب وسلوک آپ سے روحانی استفادہ کے لئے آپ کے پاس جاتے، پردیسی علما ومشائخ کو آپ اپنے یہاں ٹھہراتے اور ان کی حاجت روائی کرتے، اگر آپ کے پاس کوئی مخالف یا ایسا شخص بیٹھتا جسے دینی مسائل میں کچھ اختلاف ہوتا تو آپ اپنی سحر بیانی سے آگ اور پانی اور متضاد چیزوں میں اتحاد پیدا کردیتے اور وہ آپ سے متفق وہم خیال ہو کر جدا ہوتا۔'' ۹۰

شاہ عبدالعزیزؒ پر آخر عمر میں بیماری کا شدید حملہ اور نقاہت کا غلبہ ہو گیا تھا، لیکن افادہ عام کا سلسلہ بہ دستور جاری تھا۔ اسی حالت میں ۵، جون ۱۸۲۳ء/۷، شوال یکشنبہ ۱۲۳۹ھ کو رشد وہدایت کا یہ چراغ گل ہو گیا۔ مرنے سے قبل آپ نے وصیت کی تھی کہ ہمارے کفن کا کپڑا وہی ہو جو زندگی میں زیب تن کرتا تھا، نیز ہماری نماز جنازہ شہر سے باہر ادا کی جائے اور بادشاہ اس میں شرکت نہ کریں۔ چنانچہ ترکمان گیٹ کے باہر پہلی نماز جنازہ آپ کے نواسے شاہ اسحٰق نے پڑھائی۔ بعد ازاں نصیر الدین صاحب لکھنوی شافعی کے مقبرے میں نماز جنازہ ہوتی رہی اور کل ۵۵ بار نماز جنازہ پڑھی گئی، جب کہ غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنے کا الگ سلسلہ جاری تھا۔ ۹۱ آپ کیا گئے پوری دنیا سوگوار ہو گئی۔ تینوں بھائیوں کا حین حیات میں ہی انتقال ہو گیا تھا، صرف تین صاحب زادیاں تھیں، وہ بھی آپ سے پہلے فوت کر گئیں۔ قبل از وفات شاہ صاحب کے معمول کا ذکر کرتے ہوئے عبدالرحیم ضیاؔ لکھتے ہیں:

''آپ بہت قلیل الغذا اور کثیر الامراض تھے، جب وقت قریب آیا تو چند روز سے غذا ترک کی، مرض کی شدت تھی، وعظ کا دن آیا، آپ نے فرمایا: مجھ کو پکڑے رہو، جب بیان شروع کروں تو چھوڑ دینا، ویسا ہی کیا، یعنی قوت روحانی اور فیض ربانی کا غلبہ ہوا، آپ کو چھوڑ دیا، وعظ فرمانے لگے، ہزاروں آدمی جمع ہوئے، اس حال میں بھی جیسا دور والے سنتے تھے، ویسا ہی نزدیک والے بھی سنتے تھے، بعد ازاں آیہ شریفہ: 'ذَوِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنَ وَابنِ السبِیْلِ' کا بیان کیا، اس کے مطابق نقد اور اسباب سب تقسیم فرمایا، من بعد قریب لاکھ روپے کے نقد اور دوسرا اسباب بیش قیمت جو رہا، اس میں سے چند ہزار روپے واسطے زاد راہ سفر حجاز اور ادائے مناسک حج وعمرہ وغیرہ کے اپنے نواسے مولانا محمد اسحٰق اور محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہما کو عنایت کئے اور چند ہزار روپے مصارف مراسم وفات وتعزیت کے لئے دیئے۔'' ۹۲

خلاصہ بحث

شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمات جلیلہ کے مطالعے سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے پوری زندگی اسلامی علوم کی نشر واشاعت کی اور رشد وہدایت کا چراغ روشن کیا، جس کے خوش گوار اثرات نہ صرف برصغیر میں مرتب ہوئے بلکہ دوسرے ممالک میں بھی یہ فیض عام ہوا۔ طالبان علوم نبوت کی کثیر تعداد ہے، جنہیں شاہ صاحب سے نسبت رہی نیز انہوں نے سماج ومعاشرہ میں پھیلی ہوئی گم راہیوں کی اصلاح کے لئے بھی بڑی جدوجہد کی اور اپنے شاگردوں کو بھی اسی انداز سے تربیت کی، تاکہ وہ مستقبل کے لئے واضح نشان راہ فراہم کریں۔ تحریک سید اسماعیل شہید وسید احمد شہید اس کی واضح مثال ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ جدید علوم وفنون کی اہمیت اور انگریزی تعلیم کی افادیت سے نابلد نہیں تھے۔ شاہ رفیع الدینؒ کی ریاضی دانی کے متعلق ایک موقع سے فرمایا: فن ریاضی میں مولوی رفیع الدینؒ جیسا فاضل ہندوستان وبیرون ہندوستان میں کوئی نہیں ہے۔ ۹۳ خود شاہ صاحب کو اس فن کا گہرا علم تھا۔ علم جغرافیہ میں بھی انہیں کمال حاصل تھا۔ ایک انگریز افسر 'فریزر' نے آپ سے کابل کا راستہ معلوم کیا تو آپ نے ٹھیک ٹھیک بتادیا۔ ۹۴ کرہ ارض اور نظام شمسی میں باعتبار موسم جو تغیر ہوتا ہے، اس کی حقیقت سے بھی واقف تھے۔ ۹۵ 'سیٹن' ایک انگریز افسر تھا، اس نے شاہ صاحب سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ان دنوں شہر کے کنویں کا پانی کہیں کہیں میٹھا ہو گیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا تعلق علم سائنس تھا۔ مگر شاہ صاحب نے اس کا جو جواب دیا، اس سے وہ لاجواب ہو گیا۔ ۹۶ ایک انگریز جہاز راں نے شاہ صاحب سے جہاز رانی سے متعلق

کچھ سوالات کئے، شاہ صاحب نے اپنے جواب سے اسے مطمئن کر دیا، ساتھ ہی جہاز کے بعض پرزوں کے حالات بھی بیان کر دیئے، جس کے بارے میں وہ خود نہیں جانتا تھا۔ شاہ صاحب نے کہا: بچپن میں اس فن کی ایک کتاب دیکھی تھی، اس میں سے کچھ یاد ہو گیا۔ ۹۷

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنا ایک الگ نصاب مرتب کیا تھا اور اسی کے تحت شاہ عبدالعزیز کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی اور ان کو مختلف علوم و فنون کی تعلیم بھی دی گئی تھی۔ ۹۸ مگر اس نصاب کو قبول عام حاصل نہیں ہوا، اور ایسا لگتا ہے کہ زمانے کی روش سے مجبور ہو کر ان کے فرزندوں نے بھی اس نصاب کو رواج دینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے جدید تقاضوں کے پیش نظر متذکرہ علوم و فنون کو عام کرنے کی کوشش کی، اس کا پتا نہیں چلتا۔ اگر آپ اس جانب توجہ مبذول کرتے تو شاید بعد کے عہد میں مسلمانوں کے لئے جدید علوم و فنون اور انگریزی تعلیم کو اپنانے میں مزاحمت کا سامنا کرنا نہ پڑتا۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شاہ صاحب کے فتویٰ دارالحرب یا بعض دوسرے فتاوے جو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ تھے، اس کی توضیح و تشریح بعد کے ادوار میں متفرق جماعتوں نے الگ الگ زاویے سے کی اور اپنے مدعا کو تقویت دینے کے لئے اسے بہ طور دلیل پیش کیا۔ ۹۹

یہاں یہ سوال بھی ہو سکتا ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ کی مصلحانہ کوششوں کے باوجود برصغیر کا مسلم معاشرہ اسلامی معاشرت کی صفت سے متصف کیوں نہ ہو سکا؟ اس کا جواب خود برصغیر کی معاشرتی تاریخ میں موجود ہے اور جو واضح بھی ہے۔ دوسری بات یہ بھی تھی، جس کی طرف مرزا حیرت دہلوی متوجہ کراتے ہیں: 'شاہ عبدالعزیزؒ کے علم و فضل کا سکہ گو دہلی کے ہر فرد بشر پر بیٹھا ہوا تھا، لیکن اس کا یہ اثر نہ تھا کہ جو بدعتیں ملانوں کے کہنے سے عوام الناس اور عمائدین شہر کرتے تھے، ان میں کچھ کمی آتی۔' ۱۰۰ مزید برآں برصغیر کے تکثیری سماج میں کسی بڑی تبدیلی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ کیوں کہ یہاں کی دونوں قومیں ہمیشہ احساس کم تری کا شکار رہی ہیں، اگرچہ آزادی ہند کے بعد اس کی نوعیت بدل گئی اور یہ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہو گئی۔ یہاں طویل مدت تک مسلمانوں کی حکم رانی رہی ہے۔ پھر بھی مسلمان یہی سمجھتے رہے کہ برادران وطن اکثریت میں ہیں۔ ان کے ساتھ میل جول، لین دین وغیرہ کے ساتھ ان کے معتقدات کا احترام اور بعض وقت ان کی دل جوئی ایک ضروری امر تھا۔ اس فراخ دلی کی وجہ سے بہت سی غیر اسلامی رسوم و روایات اور معتقدات مسلم معاشرے میں سرایت کر گئیں اور مسلمانوں کے اذہان و قلوب پر چھا گئیں۔ اس کے برعکس غیر مسلم بھی یہی سمجھتے رہے کہ چہ جائے کہ ہم تعداد میں زیادہ ہیں، مگر سلطانی مسلمانوں کی ہے۔ اس لئے وہ بھی بعض چیزوں کے پابند تھے۔

اس پس منظر میں شاہ عبدالعزیزؒ کی علمی و اصلاحی کوششوں کا جائزہ لیتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ ان کی مساعی کے نتیجے میں غیر اسلامی رسوم و روایات کو مسلم معاشرے میں پہنچنے کا زیادہ موقع نہیں ملا، بلکہ ایک طرح سے ان کی سرگرمیوں نے تطہیر کا کام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ (۱۸۸۴-۱۹۵۳ء) کے یہ قول: 'اب بھی یہاں دین سے غفلت روز افزوں تھی، مگر آنکھوں میں حیا اور دل میں گداز باقی تھا' اور 'فسق و فجور میں ترقی تھی، مگر فسق و فجور پر اصرار اور معاصی و محرمات کے اظہار و اعلان کا رواج نہیں ہوا تھا' نیز 'اللہ کے نام کا ادب اور اس کی کہلانے والی چیزوں (شعائر اللہ) کا احترام رخصت نہیں ہوا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ توبہ و انابت کی توفیق سلب نہیں ہوئی تھی'۔ ۱۰۱

آج بھی ہندوستان کا تکثیری سماج جس کا ایک لازمی جز مسلم معاشرہ ہے، اسی نہج پر گام زن ہے۔ تہذیبی لین دین اور رسوم رویات پر عمل آوری کا سلسلہ کم و بیش جاری ہے۔ بلکہ اب تو ایسے فتاوے بھی صادر ہو رہے ہیں، جن میں مشورہ دیا جاتا ہے کہ کچھ حدود و قیود کے ساتھ برداران وطن کے ساتھ میل جول بڑھایا جائے اور ان کے تہواروں اور تقاریب میں شرکت کی جائے اور ان کو بھی اپنے یہاں مدعو کیا جائے تاکہ ہم آہنگی کی فضا ہموار ہو۔ بے شک یہ سوچ اسی وقت زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہے کہ ایک ایسی دینی جماعت یا تنظیم ہر وقت تیار رہے کہ اس میل جول کی وجہ سے تہذیبی لین دین جو 'فطری طور' پر ہوگا، اس کی نگہ داشت کرتی اور اس پر شفافیت کا پوڈر چھڑکتی رہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے شیعیت اور رافضیت کے سیلاب کو روکنے کے لئے مروجہ مناظرانہ روش اختیار نہیں کی، بلکہ حکیمانہ پیرائے میں قلم و قرطاس کے ذریعے اس کا انسداد کیا اور مستند کتب کی روشنی میں ان کے افکار و نظریات کی اصلیت واضح کی۔ بہ قول ایک دانش ور: 'ان کتابوں کا مقصد افہام و تفہیم کے ذریعے دونوں مسالک کو ایک دوسرے کے قریب لانا تھا۔ اس سلسلے میں آپ نے جو اصول اختیار کیا، وہ بہت

اہم ہے یعنی دونوں کے صرف مشترکہ اور مسلمہ امور کو بیان کرنے اور مختلف فیہ امور کا ذکر نہ کرنے کے بجائے اس پر زور دیا کہ دونوں ایک دوسرے کے نقطہ ہائے نظر کو مکمل طور پر سمجھیں۔ افہام و تفہیم کی بنیاد لاعلمی اور ابہام کے بجائے اختلاف سے آگاہی اور اس حق کو تسلیم کرنے سے ہی مضبوط ہو سکتی ہے'۔ ۱۰۲

سماجی و معاشرتی اصلاحات اور خدمات علمیہ کے ضمن میں شاہ عبدالعزیزؒ کی تصنیفی مساعی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہیں۔ خاص کر تحفہ اثنا عشریہ، سر الشہادتین کے علاوہ بعض وہ رسائل، جن کی وجہ سے شیعہ سنی اختلافات میں بڑی حد تک کمی آئی۔ تفسیر فتح العزیز، بستان المحدثین اور عجالہ نافعہ بڑی اہم اور محققانہ کتابیں ہیں، جس کے مکمل اور نامکمل ہونے کی بحث میں اختلاف پایا جاتا ہے، نیز فتاویٰ عزیزی اور ملفوظات عزیزی جو بیش قیمت علمی اثاثہ ہیں، ان کے بعض مندرجات میں اتنا سقم پایا جاتا ہے کہ اس سے شاہ صاحب کی شخصیت مجروح ہو جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان علمی جواہر پاروں کی از سر نو تحقیق و تخریج اور تبویب و اشاعت کی جائے۔ علمی ورثے کی حفاظت قومی و ملی فریضہ ہے اور جو ایک بڑی دینی و علمی خدمت بھی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، مشتاق بک کارنر، لاہور، سنہ ندارد، ص: ۳۱۷۔ ڈاکٹر ثریا ڈار لکھتی ہیں: اورنگ زیب عالم گیر نے سلطنت مغلیہ کی جڑوں کو مضبوط رکھنے کے لئے ہندوستان کی وسیع و عریض سلطنت کو اپنے تینوں بیٹوں (محمد معظم، محمد اعظم شاہ، محمد کام بخش) میں تقسیم کر کے ان کو تخت نشینی کی جنگ سے بچانے کا انتظام کر لیا تھا۔ اورنگ زیب نے اپنی وفات سے چند روز قبل کام بخش کو 'بیجاپور' کا حاکم مقرر کر کے فوج سمیت وہاں روانہ کر دیا اور شہزادہ اعظم کو 'مالوہ' کی حکومت دے کر بھیج دیا۔ سب سے بڑا معظم ان دنوں 'کابل' کا والی تھا۔ اورنگ زیب کو یقین تھا کہ اس کے بعد تینوں شہزادے تاج و تخت سے بے نیاز ہو کر رعایا کی فلاح و بہبود میں مصروف ہو جائیں گے، لیکن شہنشاہ شاید بھول رہا تھا کہ انسان کے حوصلے سمندر کی سرکش موجوں کی مانند ہوتے ہیں، جن کو کبھی سکون میسر نہیں ہوتا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ شہنشاہ اس فریب میں کیسے مبتلا ہو گیا کہ اس کے بیٹے چین سے بیٹھ جائیں گے۔ (ڈاکٹر ثریا ڈار، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۸

1. Suraiya *Dar* , Dr. Shah Abdul Aziz Muhaddis Dehlavi Aur Unki Ilmi Khidmaat, Areeb Publications, Delhi, India, 2005, P. 18

۲۔ محمد اعظم (۱۷۰۷ء برائے نام)، محمد معظم بہادر شاہ اول (۱۷۰۷-۱۷۱۲ء)، عظیم الشان (۱۷۱۲ء) معزالدین جہاں دار شاہ (۱۷۱۲-۱۷۱۳ء)، فرخ شیر (۱۷۱۳-۱۷۱۹ء) رفیع الدرجات (۱۷۱۹-۱۷۱۹ء)، رفیع الدولہ شاہ جہاں دوم (۱۷۱۹-۱۷۱۹ء)، روشن اختر محمد شاہ (۱۷۱۹-۱۷۴۸ء)، احمد شاہ بہادر (۱۷۴۸-۱۷۵۴ء)، عالم گیر ثانی (۱۷۵۴-۱۷۵۹ء)، شاہ جہاں سوم (۱۷۵۹-۱۷۵۹ء)، شاہ عالم ثانی (۱۷۵۹-۱۸۰۶ء)، بیدار بخت محمد شاہ بہادر (۱۷۸۸ء درمیان میں)، اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶-۱۸۳۷ء)، بہادر شاہ ظفر (۱۸۳۷-۱۸۵۷ء)

۳۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی، شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، ۱۹۶۹ء، ص: ۱۷-۱۸

3. Khaliq Ahmad Nizami,Shah Wali Ullah Dehlavi ke siyasi maktubat, Muslim University Press, Aligarh, 1969, P.17-18

۴۔ آغا محمود بیگ راحت، نتائج المعانی (مرتب: گوہر نوشاہی) مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص: ۱۷۵-۱۷۶

4. Mahmood Baig Rahat, Nataij-ul-Maani. Majlas Taraqi Aadab, Lahore, 1967, P.175-176

۵۔ عبدالرحیم ضیا، مقالات طریقت (تحقیق و تدوین: پروفیسر محمد اقبال مجددی) پروگیسو بکس، لاہور، پاکستان، ۲۰۱۷، ص: ۶۷۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، ۲۰۱۰، ج: ۵، ص: ۳۴۷-۳۴۶

5. Abdur Rahim Zia, Maqalat Tariqat, Progressive Pub, Lahore, 2017, P.67

۶۔ شاہ عبدالعزیز، ملفوظات عزیزی (مترجمین: محمد علی قریشی و مفتی انتظام اللہ شہابی)، پاکستان ایجوکیشنل پبلشرز لمیٹڈ، کراچی، ۱۹۶۰ء، ص: ۲۰۲

6. Shah ' Abdul ' Aziz, Malfuzat Shah Abdul Aziz, pakistan education publisher karachi. 1960, P.202

۷۔ سید عبدالحہ حسنی، نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، دار ابن حزم، بیروت، ۱۹۹۹ء، ج:۱۰، ص:۱۰۱۴۔ رحمن علی، تذکرہ علمائے ہند (مرتبہ: محمد ایوب قادری) پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص: ۳۰۲-۳۰۳-۳۰۳۔ فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ (مرتبہ مع حواشی: خورشید احمد خاں) مکتبہ ربیعہ، کراچی، سنہ ندارد، ص:۴۸۷-۴۸۸

7. Nuzhat al-khawāṭir wa-bahjat al-masāmiʿ wa-al-nawāẓir

۸۔ مولوی عبدالقادر، علم و عمل (مترجم معین الدین افضل گڑھی) اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی، ۱۹۶۰ء، ص:۲۴۶

۹۔ ملفوظات عزیزی، ص:۹۱

Malfuzat Shah Abdul Aziz, P.91

۱۰۔ ملفوظات عزیزی، ص:۷۷

Ibid.P.77

۱۱۔ خواجہ ناصر الدین فراق لکھتے ہیں: ”جب شاہ نصیر صاحب اور ذوق کا دل کھٹا ہو گیا اور اصلاح موقوف ہوئی تو ذوق ہر جمعہ کو مولانا عبدالعزیز صاحب کے وعظ میں جانے لگے اور وعظ بہت غور سے سننے لگے۔ کسی دوست نے اس کا سبب پوچھا تو ذوق نے کہا: استاد مجھ گنہگار سے ناخوش ہو گئے، شعر و سخن میں اصلاح ملتی نہیں، اس کا بدل میں نے یہ نکالا ہے۔ کیوں کہ مولانا عبدالعزیز صاحب اردو زبان دانی میں شاہ نصیر صاحب سے کسی طرح کم نہیں ہیں، ان کے بیان اور گفت گو کو سنتا ہوں اور اردو کے محاورے روز مرہ یاد کرتا ہوں، اس لئے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے والد ماجد کے حکم کے بموجب اردو زبان سیکھنے کے لئے خواجہ میر درد صاحب کی خدمت میں چھٹپن سے حاضر ہوتے تھے اور چپ چاپ بیٹھے ہوئے آپ کی تقریر سنا کرتے تھے اور محاورات کو دل ہی دل میں چنا کرتے تھے۔ مولانا ولی اللہ صاحب اپنے بچوں سے کہا کرتے تھے جس طرح اصول حدیث اور اصول فقہ فن ہے، اسی طرح اصول زبان بھی فن ہے اور اردو زبان کے موجد اور مجتہد خواجہ میر درد صاحب ہیں آپ کی صحبت کو اس فن کے واسطے غنیمت سمجھو کیوں کہ خواجہ صاحب پکے پان ہیں۔“ (حکیم خواجہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی، لال قلعہ کی ایک جھلک (مرتبہ: داکٹر انتظار مرزا) اردو اکیڈمی، دہلی، ۱۹۸۷ء، ص:۶۴-۶۵)

۱۲۔ ملفوظات عزیزی، ص:۱۱۰

Malfuzat Shah Abdul Aziz, P.110

۱۳۔ مرزا حیرت دہلوی، حیات طیبہ (سوانح مولانا سید اسمعیل شہید) اسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہو، ۱۹۸۲ء، ص:۲۹

۱۴۔ سر سید احمد خاں، آثار الصنادید (بہ ضمن دہلی اور اہل دہلی کے حالات) مطبع نامی، منشی نول کشور، لکھنؤ، سنہ ندارد، ص:۳۹

۱۵۔ نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر، ج:۱۰، ص:۱۰۱۵

Nuzhat al-khawāṭir wa-bahjat al-masāmiʿ wa-al-nawāẓir,10/1015

۱۶۔ نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر، ج:۱۰، ص:۱۰۱۵

Ibid. 10/1015

۱۷۔ علم و عمل، ص:۲۴۶

۱۸۔ حکیم محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء، ص:۱۵۰

۱۹۔ صدیق حسن خاں قنوجی، اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین، مطبع نظامی، کان پور، ص:۲۹۶-۲۹۷

۲۰۔ عبید اللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک (پروفیسر محمد سرور) سندھ ساگر اکادمی، لاہور، اشاعت دوم، سنہ ندارد، ص:۵۲

ubaidullah-sindhi, shah-waliullah-aur-unki-siyasi-tehreek, Sind Academi, P.52

۲۱۔ تاریخ دعوت و عزیمت، ج:۵، ص:۳۴۹

Abu Al Hasan Ali Nadvi, Tareek e Dawat-o-Azeemat, Urdu Majlas Nashreyat Islam Karachi, 1969, P.349

۲۲۔ اشرف علی تھانوی، الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ، مکتبہ دانش دیوبند، سنہ ندارد، ج:۱، ص:۲۷۰

۲۳۔ آثار الصنادید، ص:۴۰

Sayyid Aḥmad K̲h̲ān, Ās̲ār aṣ-ṣanādīd, P.40

۲۴۔ سید عبدالحہ حسنی، دہلی اور اس کے اطراف (مرتبہ: صادق ذکی)، اردو اکیڈمی، دہلی، ۱۹۸۸ء، ص:۸۸۔ مولانا مناظر احسن گیلانی، مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (مرتب و محشی: مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی) سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص:۳۵۴

۲۵۔ دہلی اوراس کے اطراف، ص:۸۸

۲۶۔ شاہ ولی اللہ اوران کی سیاسی تحریک، ص:۵۳

shah-waliullah-aur-unki-siyasi-tehreek, P.53

۲۷۔ ملفوظات عزیزی، ص:۱۸۲

Malfuzat Shah Abdul Aziz, P.182

۲۸۔ ملفوظات عزیزی، ص:۱۶۱

Ibid. P.161

۲۹۔ ملفوظات عزیزی، ص:۱۶۰

Ibid. P.160

۳۰۔ ملفوظات عزیزی، ص:۹۵

Ibid. P.95

۳۱۔ مقالات طریقت (مقدمہ)، ص:۳۶-۴۶

Maqalat Tariqat, P.36-46

۳۲۔ مقالات طریقت، ص:۷۸..... مولانا نسیم احمد فریدی نے اپنی کتاب میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے تلامذہ اور خلفا کی تعداد چوالیس درج کی ہے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی لکھتے ہیں: ''آپ کے اجازت یافتہ تلامذہ اور خلفاو مریدین کا حلقہ یقیناً بہت وسیع ہوگا۔ تذکرہ علماء ہند، نزہۃ الخواطر، عمدۃ الصحائف مولفہ عبدالکریم حنفی قادری، سراج العوارف مولفہ شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی، تذکرۃ الکرام (تاریخ امروہہ)، تذکرہ مشاہیر کاکوری اور بعض دیگر تذکروں کی مدد سے حسب ذیل تلامذہ کی فہرست تیار کرسکا ہوں، یقیناً یہ بہت کم ہیں، مگر اس میں مشاہر تلامذہ ایک حد تک سب آگئے ہیں۔'' (نسیم احمد فریدی امروہوی، تذکرہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، الفرقان بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۹۲ء، ص:۱۸)

Maqalat Tariqat, P.78

۳۳۔ شاہ ولی اللہ اوران کی سیاسی تحریک، ص:۵۱-۵۲

shah-waliullah-aur-unki-siyasi-tehreek,P.51-52

۳۴۔ مقالات طریقت (مقدمہ)، ص:۳۶

Maqalat Tariqat, P.36

۳۵۔ علم و عمل، ص:۲۴۶

۳۶۔ مقالات طریقت، ص:۷۷

Maqalat Tariqat, P. 36

۳۷۔ ملفوظات عزیزی (مقدمہ مترجمین) ص:۳۴-۳۵

Malfuzat Shah Abdul Aziz, P.34-35

۳۸۔ محمد محسن بن یحییٰ الترہٹی، الیانع الجنی من اسانید الشیخ عبدالغنی (تحقیق: ڈاکٹر ولی الدین تقی الدین ندوی) اروقۃ للدراسات والنشر، اردن، ۲۰۱۶ء، ص:۱۴۹

۳۹۔ شاہ ولی اللہ اوران کی سیاسی تحریک، ص:۵۷

shah-waliullah-aur-unki-siyasi-tehreek, P.57

۴۰۔ نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنوظر، ج:۱۰، ص:۱۰۱۴

Nuzhat al-khawāṭir wa-bahjat al-masāmi‘ wa-al-nawāẓir,10/1014

۴۱۔ ملفوظات عزیزی (مقدمہ مترجمین)، ص:۲۲

Malfuzat Shah Abdul Aziz, P.22

۴۲۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات (حرفے چند)، ص:۹

Shah Abdul Aziz Muhadis Dehlwi Aur Un Ki Ilmi Khidmat, P.9

۴۳۔ تاریخ دعوت و عزیمت، ج:۵، ص:۱۵۰

Tareek e Dawat-o-Azeemat,10/150

۴۴۔ شاہ عبدالعزیز، عجالہ نافعہ (مترجم: ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی) مجلس ثقافت و نشریات اسلام، مظفرپور، بہار، ۲۰۱۴ء، ص:۱۰

۴۵۔ اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین، ص:۲۹۷

۴۶۔ محمد رحیم بخش دہلوی، حیات ولی، المکتبۃ السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص:۵۹۵

۴۷۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، ص:۳۰۰

Surrya Dar, Shah Abdul Aziz Muhadis Dehlwi Aur Un Ki Ilmi Khidmat, P.300

۴۸۔ ملفوظات عزیزی، ص:۲۱۳

Malfuzat Shah Abdul Aziz, P.213

۴۹۔ ملفوظات عزیزی، ص:۲۱۲

Ibid. P.212

۵۰۔ ملفوظات عزیزی، ص:۲۱۲

Ibid. P.212

۵۱۔ شاہ عبدالعزیز، فتاوی عزیزی (مترجم: عبدالواحد نولوی غازی پوری) ایچ. ایم. سعید کمپنی، کراچی، ۱۴۰۸ھ، ص:۵۹۹-۶۰۰

۵۲۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، ص:۳۱۰

Shah Abdul Aziz Muhadis Dehlwi Aur Un Ki Ilmi Khidmat,P.310

۵۳ محمد ایوب قادری، فضائل صحابہ و اہل بیت (مجموعہ رسائل شاہ عبدالعزیز دہلوی) پاک اکیڈمی، وحید آباد، کراچی، ۱۹۶۵ء، ص:۱۱

۵۴۔ فضائل صحابہ و اہل بیت، ص:۵۷

shah-abdul-azeez-mohaddis-dehlavi, fazail-e-sahaba-o-ahle-bait,P.57

۵۵۔ ملفوظات عزیزی، ص:۹۲۔ فضائل صحابہ و اہل بیت، ص:۶۳

Malfuzat Shah Abdul Aziz, P.92

۵۶۔ شاہ عبدالعزیز، تحفہ اثنا عشریہ (مترجم: مولانا خلیل الرحمن نعمانی مظاہری)، دارالاشاعت، کراچی، اشاعت اول، سنہ ندارد، ص:۲۱

۵۷۔ فضائل صحابہ و اہل بیت، ص:۷۰

fazail-e-sahaba-o-ahle-bait,P.70

۵۸۔ اشرف علی تھانوی، ارواح ثلثہ یعنی حکایات اولیا، مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، کراچی، ۲۰۰۹ء، ص:۱۹۔ حکیم محمود احمد برکاتی، شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء، ص:۱۰۲۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب، ص:۱۵۱-۱۵۲ .... شاہ عبدالعزیز کے قریبی عہد میں لکھی جانے والی سوانحی کتب اور تذکروں میں اس قسم کے واقعہ واقعہ کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ بعد کے عہد میں جو کتابیں لکھی گئیں ہیں، ان میں یہی بیان ہوا ہے، لیکن ان میں بھی اصل حوالے موجود نہیں ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: فضائل صحابہ و اہل بیت، ص:۵۶-۵۵۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، ص:۱۲۲-۱۳۰)

fazail-e-sahaba-o-ahle-bait,P.122-130

۵۹۔ فضائل صحابہ و اہل بیت، ص:۵۵

Ibid. P.55

۶۰۔ مناظر احسن گیلانی، تذکرہ شاہ ولی اللہ، نوید پبلیکیشنز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص:۲۸

۶۱۔ تذکرہ شاہ ولی اللہ، ص:۳۴-۳۸۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص:۱۹

shah-waliullah-aur-unki-siyasi-tehreek,P.19

۶۲؎ تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ کریں: پروفیسر مشیر الحق، مذہب اور جدید ذہن، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص: ۳۰-۴۷

۶۳؎ فتاویٰ عزیزی، ص: ۴۵۳-۴۵۶

Malfuzat Shah Abdul Aziz, P.453-456

۶۴؎ محمد خالد مسعود (مرتب) اٹھارہویں صدی عیسوی میں برصغیر میں اسلامی فکر کے رہنما (مجموعہ مقالات)، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی یونیورسٹی، پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص: ۳۴۹

۶۵؎ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، ص: ۱۳۰

Shah Abdul Aziz Muhadis Dehlwi Aur Un Ki Ilmi Khidmat,P.130

۶۶؎ ملفوظات عزیزی، ص: ۶

Malfuzat Shah Abdul Aziz, P.6

۶۷؎ مقالات طریقت، ص: ۲۴-۳۵

Maqalat Tariqat, P. 24-35

۶۸؎ محمد انس حسان (مضمون نگار) تفسیر فتح العزیز اور اس کی تکمیل و عدم تکمیل کی بحث، سہ ماہی فکر و نظر، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، جولائی ستمبر، ۲۰۲۱ء

۶۹؎ تاریخ دعوت و عزیمت، ج: ۵، ص: ۳۵۷

Tareek e Dawat-o-Azeemat,5/357

۷۰؎ شاہ عبدالعزیز، بستان المحدثین (مترجم: عبدالسمیع دیوبندی) مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ، مظفر نگر، ۱۴۳۷ھ، ص: ۱

۷۱؎ محمد رحیم بخش، حیات عزیزی، منبع فیض پریس، دہلی، بار اول، سنہ ندارد، ص: ۲۶-۲۷

muhammad raheem bakhsh, hayat e azizi , Faiz Press, New Delhi, India, P. 26-27

۷۲؎ فوائد جامعہ شرح عجالہ نافعہ، ص: ۹۱

۷۳؎ فوائد جامعہ شرح عجالہ نافعہ، ص: ۱۲۰

۷۴؎ اٹھارہویں صدی عیسوی میں برصغیر میں اسلامی فکر کے رہنما، ص: ۳۳۰

۷۵؎ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، ص: ۲۶۷

Shah Abdul Aziz Muhadis Dehlwi Aur Un Ki Ilmi Khidmat,P.330

۷۶؎ حیات عزیزی، ص: ۵۶

hayat e azizi, P.56

۷۷؎ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص: ۵۹۳

۷۸؎ شاہ عبدالعزیز، سر الشہادتین (ترجمہ و تخریج: ابوالحماد محمد احمد) مکتبہ برکاتیہ، قصور، پاکستان، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۳-۱۴

۷۹؎ حیات عزیزی، ص: ۲۷

hayat e azizi.P.27

۸۰؎ ملفوظات عزیزی (دیباچہ)، ص: ۴

Malfuzat Shah Abdul Aziz, P.4

۸۱؎ ملفوظات عزیزی، ص: ۱۵۸

Ibid. P.158

۸۲؎ ملفوظات عزیزی، ص: ۱۱۱

Ibid. P.111

۸۳ ملفوظات عزیزی، ص:۱۵

Ibid. P.15

۸۴ آثار الصنادید، ص:۴۰

A̅s̱a̅r aṣ-ṣana̅dı̅d, P.40

۸۵ ملفوظات عزیزی، ص:۱۵۔ مولانا سید محمد میاں لکھتے ہیں: نہ صرف حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بلکہ آپ کا پورا گھرانہ اس تربیت میں کمال رکھتا تھا۔ انہیں روحانی کمالات کا ایک اثر یہ تھا کہ اس خان دان نے کبھی شاہی منصب یا شاہی جاگیر منظور نہیں کی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے دادا شاہ عبدالرحیم صاحب سلطان عالم گیر کے زمانہ کے مشہور عالم تھے۔ بادشاہ نے آپ کو اس علما بورڈ کا ممبر بنانا چاہا جو فقہ حنفی کے فتاویٰ مرتب کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ آپ کی والدہ کی بھی خواہش ہوئی کہ اس بورڈ میں شریک ہو جائیں تو عزت و عظمت بھی حاصل ہو، اور رات دن آٹے دال کی فکر سے بھی نجات ملے۔ مگر آپ نے بادشاہ کو صاف جواب دے دیا۔ ماں سے معذرت کر دی اور اسی نان جویں پر خدمت خلق کرتے ہوئے زندگی گزار دی۔ البتہ وقتاً فوقتاً ان علما کی رہ نمائی اور مفید مشورے ضرور دیتے رہے جو بورڈ میں کام کرتے تھے۔ ایک طرف حضرت شاہ عبدالعزیز کی عظمت و عزت کا یہ عالم ہے کہ شہزادے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور پاؤں دبانے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ بر سر راہ نوابوں اور امرا سے ملاقات ہو جاتی ہے تو وہ اپنی سواریوں سے اتر کر مصافحہ اور مزاج پرسی کرتے ہیں۔ بادشاہ سے بھی ملاقات ہوتی ہے تو وہ بھی مصافحہ کرنے میں پورے احترام سے پیش آتے ہیں۔ پریشانی کے اوقات میں آپ سے دعا کی استدعا کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف قناعت اور سیر چشمی کا یہ عالم ہے کہ کسی شاہی عطیہ کا قبول کرنا تو در کنار، بادشاہ اور امرا کی ہمت بھی نہیں پڑتی تھی کہ وہ کچھ پیش کریں کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری پیش کش نظر حقارت سے مسترد کر دی جائے گی۔ (سید محمد میاں، علمائے ہند کا شان دار ماضی، جمعیۃ پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۰، ج:۲، ص:۵۵۲)

۸۶ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص:۵۶

shah-waliullah-aur-unki-siyasi-tehreek,P.56

۸۷ رود کوثر، ص:۵۸۸

۸۸ ملفوظات عزیزی، ص:۲۱۴-۲۱۵

Malfuzat Shah Abdul Aziz, P.214-215

۸۹ ملفوظات عزیزی، ص:۷۰

Malfuzat Shah Abdul Aziz, P.70

۹۰ تاریخ دعوت و عزیمت، ج:۵، ص:۳۵۱

Tareek e Dawat-o-Azeemat,5/351

۹۱ مقالات طریقت، ص:۸۶

Maqalat Tariqat, P. 76

۹۲ مقالات طریقت، ص:۹۵۔ حیات عزیزی، ص:۶۱-۶۲

Maqalat Tariqat, P. 95

۹۳ ملفوظات عزیزی، ص:۱۲۸

Malfuzat Shah Abdul Aziz, P.128

۹۴ نواب مبارک علی میرٹھی، کمالات عزیزی، مشمولہ بہ طور ضمیمہ ملفوظات عزیزی، ص:۲۴۹

۹۵ شاہ عبدالعزیز نے ایک موقع سے فرمایا: بڑے دن میں دہلی میں ساڑھے چوبیس گھڑی، حیدرآباد میں تیس گھڑی، اور کم کم میں پچیس گھڑی، بلغار میں پچیس گھڑی اور ملک نیمروز میں کہتے ہیں اور بعض جگہ بیس ساعت کی رات ہوتی ہے کہ نماز عشاء بعض فقہا کے نزدیک فرض نہیں ہوتی۔ کیوں کہ دس گھڑی شفق احمر رہتی ہے کہ جو مغرب کا وقت ہوتا ہے اور دس گھڑی سے صاحبین کے نزدیک صبح ہو جاتی ہے اور امام مالک کے نزدیک واجب نہیں ہوتی، اسی وجہ سے طلوع و غروب میں اس ملک میں چار گھڑی کا فرق ہے اور دہلی سے بنگال تک ایک گھڑی اور سندھ میں دو گھڑی اور ان ممالک میں جو قطبین کے تحت واقع ہیں چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے، اور صبح صادق سے طلوع آفتاب کا وقت تقریباً سات دن کا ہوتا ہے۔ چنانچہ فرنگیوں کے ارض

جدید (امریکہ) میں ایک رات دن کا فرق ہے اور کرہ کے موافق وہ بغداد کے محاذ میں واقع ہے۔اس سے پہلے لوگ جانتے تھے کہ سولہ درجہ صرف آبادی تھی۔اب فرنگیوں نے پچیس درجہ آبادی قرار دی ہے۔(ملفوظات عزیزی،ص:۱۷۰)

۹۶۔ شاہ عبدالعزیز نے فرمایا: جب آبادی بڑھ جاتی ہے، گندگیاں زمین پر اثر کر جاتی ہیں اور ان کی وجہ سے زمین کا پانی فاسد ہو جاتا ہے، جب وہ زمین ویران ہو جاتی ہے اور نجاستیں اور گندگی پڑنا بند ہو جاتا ہے تو کچھ عرصہ بعد پانی بدستور بہتر ہو جاتا ہے اور آبادیوں میں پانی کی نکاسی کے لئے بدرو (گندی نالیاں) بناتے ہیں اور جب وہ جگہ ویران ہو جاتی ہے تو وہ نالیاں بند ہو جاتی ہیں، پانی زمین میں نفوذ کرتا ہے اور میٹھا ہو جاتا ہے۔(ملفوظات عزیزی،ص:۲۱۵)

۹۷۔ ارواح ثلثہ یعنی حکایات اولیا،ص:۴۰

۹۸۔ حیات ولی،ص:۵۹۲

۹۹۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں برصغیر میں اسلامی فکر کے رہنما،ص:۳۴۱اور۳۴۹

۱۰۰۔ حیات طیبہ،ص:۲۳

۱۰۱۔ سیدابوالحسن علی ندوی، سیرت سید احمد شہید (مقدمہ: سید سلیمان ندوی) مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ،۲۰۱۱ء،ج:۱،ص:۷۸-۷۹

۱۰۲۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں برصغیر میں اسلامی فکر کے رہنما،ص:۳۳۸